شادی کی عمر

غور طلب پہلو

ڈاکٹر اُمّ کلثوم

ڈاکٹر اُم کلثوم، میڈیکل ڈاکٹر، اسلامک سکالر اور مصنفہ ہیں۔ آپ نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔ اس کے بعد کالج آف کمیونٹی میڈیسن سے ڈی ایم سی ایچ کیا۔ علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور، کالج آف کمیونٹی میڈیسن (بعدازاں انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ہیلتھ) میں تدریسی امور انجام دیے۔ آپ تقریباً 25 برس تک ماں اور بچے کی صحت کے بارے میں پوسٹ گریجویٹ اور پیرامیڈیکل طلباء وطالبات کو پڑھاتی رہیں۔ اس دوران کئی ریسرچ پراجیکٹ بھی کرنے کا موقع ملا، جن کے مرکزی موضوعات بریسٹ فیڈنگ اور چائلڈ نیوٹریشن سے متعلق تھے۔ ان موضوعات پر کئی ریسرچ پیپرز شائع بھی ہوئے۔ ہارورڈ یونیورسٹی امریکا کے میڈیسن سکول کے ساتھ رضاعی ماؤں کی صحت کے حوالے سے پرنسپل انویسٹی گیٹر کے طور پر تحقیق کی ہیڈ رہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ہاسپٹل ایڈمنسٹریشن سے بھی وابستہ رہیں۔ لیڈی ایچی سن ہسپتال لاہور میں چھ سال تک مختلف انتظامی عہدوں پر کام کرنے کا موقع ملا وہیں سے بحیثیت سینئر وومن میڈیکل آفیسر ریٹائر ہوئیں۔ جس کے بعد آپ رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی کے شعبہ تربیہ کے ساتھ منسلک ہوئیں اور لاہور کیمپس میں شعبہ تربیہ کے قیام اور نشوونما کے لیے خدمات انجام دیں۔ ڈاکٹر اُم کلثوم، ڈاکٹروں کی ملک گیر تنظیم پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن، خواتین ونگ کی مرکزی صدر بھی رہ چکی ہیں۔ درس وتدریس آپ کا خاصہ ہے۔ خواتین بالخصوص ڈاکٹرز میں دعوت دین، فہم القرآن کے لیے آپ ہمہ وقت مصروف رہتی ہیں۔ بچوں کی تربیت، خواتین کی صحت، متعدد دینی وسماجی پر آپ کے کئی مضامین اور کتب شائع ہو چکی ہیں، جن میں سے چند عنوانات درج ذیل ہیں:

1. ھو سیدنا صلی اللہ علیہ وسلم
2. میزان محبت
3. بچے کی تربیت: اسلامی تعلیمات کی روشنی میں
4. رمضان: ماہ محبت
5. عیادت ایک سعادت
6. قولوللناس حسنا
7. مبارک ہو
8. علامات کا تعین: اسلامی نقطہ نظر
9. گھر کی تعمیر: اسلامی نقطہ نظر

آپ کی کتب ڈاکٹرز کے علاوہ پاکستان اور بیرون ملک میں اردو دان حلقوں میں دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ علم وتحقیق سے آپ کا گہرا تعلق ہے۔ آپ کی تحقیق کے مرکزی موضوعات میں فیمنزم کے حوالے سے سیڈا، بیجنگ کانفرنس اور فیملی/ پاپولیشن پلاننگ شامل ہے۔ آپ نے قاہرہ کانفرنس کی دستاویزات کا بھی تفصیلی مطالعہ کیا۔ ان موضوعات پر آپ نے متعدد ورکشاپس اور سیمینار کروائے اور ساتھ ہی مختلف پلیٹ فارمز پر ہونے والے مذاکروں میں بھی شرکت کی۔ خواتین پر تشدد اور طبی فقہی مسائل بھی آپ کے تحقیقی موضوعات میں شامل ہے۔ قرآن مجید کے ترجمہ وتشریح کے حلقہ جات سے نصف صدی سے زاید وابستگی رکھتی ہیں اور اپنے خاص اسلوب کی بنا پر جانی جاتی ہیں۔

شادی کے لیے کم از کم عمر کا تعین بھی ایسا ہی ایک مسئلہ ہے، جس کے لیے قانون سازی ہوتی رہی اور اب اس میں مزید ترامیم کی مہم جاری ہے۔ ضروری ہے کہ اس حوالے سے حقائق کی روشنی میں معروضی مطالعہ پیش کیا جائے۔ ایک جانب جلدی (18 سال سے کم عمر میں) شادی کو جاگیردارانہ جبر کا نتیجہ، روایتی پدرسری معاشرت کا شاخسانہ اور خواتین کی صحت کے لیے بڑے خطرے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ دوسری جانب کم از کم عمر کے تعین کو اسلامی قانون سے متصادم سمجھا جاتا ہے، جو معاشرے کی پاکیزگی اور عفت وحیا کو اہم اور لازمی قدر کے طور پر برقرار رکھنے کے لیے نکاح کو آسان تر بناتا ہے اور معاشرے کے ہر طبقہ کی سہولت کو پیش نظر رکھتا ہے تاکہ مرد اور عورت کا فطری تعلق مذہب اور معاشرے میں باضابطہ تسلیم کیا جائے اور معاشرہ کی مثبت تعمیر میں معاون ہو۔

پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن خواتین ونگ نے سال 2019ء میں ملک کے مختلف حصوں میں اس موضوع پر ورکشاپس منعقد کیں۔ ان میں ماں اور بچے کی صحت کے حوالے سے تعلیمی، عملی اور انتظامی مہارت کا وسیع تجربہ رکھنے والی خواتین ڈاکٹرز نے لڑکیوں اور لڑکوں کے لیے شادی کی موزوں عمر کے تعین کا جدید سائنسی معلومات، طبی تحقیقات اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ پیش کیا۔ پاکستان کے معاشرتی وسماجی مسائل اور خواتین کی عمومی صحت کی صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ کا جائزہ لیا گیا۔ ان مباحث میں اقوام متحدہ کی جانب سے رکن ممالک کو دیئے جانے والے ترقیاتی اہداف کو بھی پیش نظر رکھا گیا جن کی روشنی میں حکومتی سطح پر قانون سازی پر زور دیا جارہا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سائنسی حقائق اور شرعی قوانین میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ پاکستان میں دستوری طور پر اسلامی تعلیمات کے منافی کسی طرح کی قانون سازی نہیں کی جاسکتی۔

انسانی نفسیات کو مدنظر رکھیں تو شادی ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ شادی کے قانونی اقدام پر کسی طرح کی حد بندی سے بگاڑ اور معاشرتی فساد کے راستے کھل جاتے ہیں۔

اس طرح کے غیر ضروری اور نامناسب اقدام کے بجائے حکومتوں کو اپنے وسائل صحت کی بہتر سہولتیں بہم پہنچانے اور رائے عامہ میں مفید تر سماجی رویے فروغ دینے میں صرف کرنے چاہئیں۔

رب کریم ہمیں حق کو پہچاننے اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق اور استقامت نصیب فرمائیں۔

ڈاکٹر سیدہ فرزانہ

انسانی تہذیب وتمدن ۔ ابتدا وارتقاء

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔''

(الروم۔31)

خالق کائنات کی کمال حکمت ہے کہ اس نے اس زمین پر اپنے خلیفہ انسان کو دو صنفوں میں پیدا کیا جو انسانیت میں یکساں ہونے کے باوجود جسمانی ساخت، ذہنی و نفسانی اوصاف اور جذبات و داعیات ایک دوسرے سے مختلف لے کر پیدا ہوئے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کا پورا جوڑ ہیں۔ پھر دونوں کے مابین ایسی کشش رکھ دی گئی کہ اپنی فطرت کے تقاضے ایک دوسرے سے وابستہ ہو کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ان دونوں کے باہم انجذاب کے نتیجہ میں انسانی تہذیب وتمدن وجود میں آئے، انسانی نسل کو تسلسل نصیب ہوا۔ اسی تعلق کے سبب خاندان، قبیلے اور اقوام تشکیل پائیں۔

سورۃ النساء میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

''اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ وقرابت کے

تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔'' (النساء۔۱)

رب کریم نے اس جوڑے کے درمیان جو کشش اور ملنے کا اضطراب رکھا ہے، اس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ محبت ومودت: یہ وہ جذبہ ہے جو انہیں ایک دوسرے سے وابستہ رکھتا ہے۔

۲۔ رحمت: اس روحانی تعلق کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے ہمدرد، غم خوار اور خیر خواہ بن جاتے ہیں۔

۳۔ سکینت: محبت اور رحمت انہیں مستقل رفاقت کے ایسے رشتہ میں منسلک کرتے ہیں جو ان کی زندگی کو سکون اور راحت کی بے پایاں دولت عطا کر دیتا ہے۔

۴۔ نسل انسانی کا تسلسل: ان دونوں کا باہم تعلق اور ملاپ اس زمین پر نسل انسانی کو بقاء وارتقاء نصیب کرتا ہے۔ بچوں کی پیدائش، ان کی نشوونما، تربیت، تعلیم اور رہنمائی اسی رشتہ کی مرہون منت ہے۔ آنے والے بچے کو نسب عطا کرتا ہے معاشرہ میں اس کو ایک پہچان نصیب ہوتی ہے۔

فطری ضرورت:

ان دو صنفوں کا باہم ملاپ ایک فطری ضرورت اور ہر انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لیے تمام مہذب معاشرے اور آسمانی ادیان اس رشتہ کی تشکیل کے لیے قوانین و ضوابط عطا کرتے ہیں، انسانی تکریم کے پیش نظر جنسی جذبات کی قوت کو نکاح کے حصار میں پابند کرتے ہیں تا کہ انسانی اخلاق اور تہذیب کی حفاظت اور تعمیر ممکن ہو سکے۔ یہ دو افراد ہی کا نہیں دو خاندانوں کا ربط و تعلق ہے۔

اگرچہ یہ تعلق قائم کرنے والے افراد کی خواہش، رضامندی اور سہولت کو ہمیشہ ترجیح حاصل رہی ہے تاہم ان سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ یہ رشتہ قائم کرتے وقت معاشرتی ترجیحات کو بھی ملحوظ رکھیں تا کہ باہم مشورے اور اتفاق رائے سے ایک نیا پاکیزہ خاندان

معرض وجود میں آئے۔

نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں فریقین ایک دوسرے کی جنسی تسکین ہی نہیں ہر دکھ سکھ میں ساتھ نبھانے کا عہد کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ فریقین کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے، انہیں نسب اور مہر (سکل) نصیب کرتا ہے۔ وہ ایک دوسرے پر اپنا وقت اور مال خرچ کرتے ہیں، گھر اور خاندان کی تشکیل میں اپنی صلاحیتیں لگاتے ہیں۔ خدمت اور ایثار کے اعلیٰ معیار قائم کرتے ہیں۔ یوں اس معاہدہ کے ذریعہ دو افراد ہی کے نہیں، دو خاندانوں بلکہ آنے والی نسلوں کے شرف اور پورے معاشرے کے مفادات کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ اسلامی شریعت میں اسے عقد کا نام دیا گیا ہے، جس کے معنی گانٹھ یا گرہ لگانا ہے۔ یہ اس تعلق کی مضبوطی کو ظاہر کرتا ہے۔

نکاح کے حصار میں اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے مرد و عورت کی رفاقت معاشرہ کو سکینت نصیب کرتی ہے، پاکیزگی عطا کرتی ہے، سوشل سکیورٹی کا ایک ایسا ادارہ وجود میں آتا ہے جو بچوں کو محبت بھری آغوش دیتا ہے، بزرگوں کو اہل خانہ کی توجہ اور خدمت سے محروم نہیں ہونے دیتا۔ معاشرے کی اعلیٰ اخلاقی اقدار اور روایات نسل نو کو منتقل کرتا ہے، انہیں ایک پہچان دیتا ہے۔ بچے جب تک اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو پاتے، انہیں معاشی کفالت اور علمی وثقافتی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

نکاح کے مقاصد:

یوں دیکھا جائے تو نکاح کے اہم ترین مقاصد یہ ہیں:

(۱) انسانی اخلاق کا تحفظ:

انسان کا شرف اسے حدود کا پابند بناتا ہے۔ انسانی اخلاق اور تہذیب کی حفاظت، تعمیر نکاح کے ذریعے ہی ممکن بنائی جاسکتی ہے۔ قرآن اسے ''احصان'' کہتا ہے۔ اس کے

معنی قلعہ تعمیر کرنا ہے۔ ارشاد ہے: ''اور ان کے سوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعہ سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے، بشرطیکہ حصار نکاح میں انہیں محفوظ کرو نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو'' (النساء ۲۴)

احصان کے بغیر عورت اور مرد کا آزادانہ تعلق انسانی اخلاق ہی کے لیے نہیں، تہذیبِ انسانی کے لیے بھی باعثِ فساد ہے۔

(۲) عادل معاشرہ کا قیام:

نکاح نہ صرف نسل انسانی کے تسلسل اور شرف کا سبب ہے بلکہ اپنی فطری ضرورت کو حلال اور جائز طریقے سے پورا کرنے کے باعث اس سے ایک ایسا ماحول تشکیل پاتا ہے جس کے افراد ایک دوسرے کے معاملہ میں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ باہم تعاون اور ایثار و محبت کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، ذہنی آسودگی حاصل ہوتی ہے اور پھر یہ روایات نسل در نسل منتقل ہوتی چلی جاتی ہیں۔

(۳) نسب کا تحفظ:

انسان کے شرف میں سے ہے کہ اس کے نسب کو محفوظ کیا جائے۔ نسب انسان کو پہچان عطا کرتا ہے اور اسے معاشرہ میں عزت اور وقار نصیب ہوتا ہے۔ تحفظ انساب کے لیے قوانین وضوابط کا تقرر و اہتمام مقاصد شریعت میں سے ہے۔

بچہ پیدا کرنے کی عمر:

عام طور پر لڑکیوں میں بلوغت کے بعد استقرارِ حمل اور بچہ پیدا کرنے کی اہلیت حاصل ہو جاتی ہے۔ زیادہ تر لڑکیوں (80 فیصد) میں آغاز ایام کے بعد ابتدائی چند سال غیر بارآور ہوتے ہیں۔ آغاز کے تین سال بعد 50 فیصد لڑکیوں میں بیضہ بننا شروع ہو جاتا ہے۔ تولیدی عمر کا دورانیہ 12 سے 51 سال تسلیم کیا گیا ہے۔ تاہم استثنائی صورتیں بھی ہیں

جن میں بلوغت کے آثار بہت جلد (precocious puberty) ظاہر ہونے کے سبب تولیدی اہلیت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔بعض صورتوں میں ایام کے آغاز سے قبل بھی حمل ٹھہر سکتا ہے۔میڈیکل ریکارڈ میں موجود ایسے چند واقعات درج ذیل ہیں:

دستیاب میڈیکل ریکارڈ کے مطابق سب سے کم عمر ماں پیرو کی لینا میڈینا ہے۔جس نے 1939ء میں چھ سال سے بھی کم عمر میں 2.64 کلوگرام وزن کے بیٹے کو جنم دیا۔بچے کا باپ نو سال کا لڑکا تھا۔

یوکرائن کی لیزا نے 19 اگست 1934ء کو چھ سال کی عمر میں 3 کلوگرام وزن کی بچی کو جنم دیا۔

دہلی میں جون 1932ء میں ساڑھے چھ سال کی عمر میں 1.9 کلوگرام وزن کی بچی کی ماں بننے والی لڑکی نے اپنی بیٹی کو خود دودھ پلایا۔

کولمبیا کی اکونا کو تین سال کی عمر میں ایام شروع ہو گئے۔وہ ستمبر 1936ء میں آٹھ سال کی عمر میں 2.3 کلوگرام وزن کے بیٹے کی ماں بن گئی۔

روس کی آٹھ سالہ اینا اپریل 2000ء میں ایک بچی کی ماں بن گئی۔جس کے باپ کی عمر تیرہ سال تھی۔

نائیجیریا کی حمزی آٹھ سال کی عمر میں دسمبر 1984ء میں ایک بچی کی ماں بنی جبکہ سترہ سال کی عمر میں وہ نانی بھی بن چکی تھی۔

مختلف معاشروں اور مذاہب میں شادی کی عمر:

انسانی تاریخ میں شادی کے لیے عمر کا تعین کبھی مسئلہ نہیں رہا بلوغت سے پہلے یا فوراً بعد شادی معاشرتی روایات کا حصہ رہی ہے۔کم وبیش ہر مذہب اور معاشرہ میں پاکیزگی اور عصمت کے تحفظ کے خیال سے شادی معمول رہی۔کوئی مذہب شادی اور نکاح کے دائرہ سے باہر جنسی تعلقات کو معاشرہ کے لیے قابل قبول نہیں سمجھتا بلکہ یہ ایک ایسا جرم خیال کیا گیا

ہے جس پر سنگین سزائیں مقرر رہی ہیں۔اختلاط مردوزن اور ڈیٹنگ کے نام پر باہم روابط کو جائز قرار دینے کے باوجود اس کے ثمرات ونتائج آج بھی جرائم سمجھے جاتے ہیں۔زنا بالجبر اور کھلے عام فحش حرکات ہر معاشرہ میں قابل تعزیر جرائم رہے ہیں۔

رومن سلطنت کے مختلف ادوار میں بلوغت کے بعد جلد شادی کا عام رواج رہا۔ بارہ سال کی دلہن اور تیرہ، چودہ سال کا دلہا ہونا معمول کی بات تھی۔

یورپ میں قانون کا ماخذ قدیم روما ہی رہا۔چنانچہ انیسویں صدی تک سولہ سال کی عمر سے پہلے شادی کی عام روایت رہی۔کثیر العیال ہونا قابل فخر سمجھا جاتا رہا۔

یہود کی مذہبی کتاب تلمود میں شادی کے لیے لڑکی کی عمر بارہ سال اور لڑکے کی عمر تیرہ سال تجویز کی گئی بلکہ خصوصی حالات میں باپ کو تین سال سے کم عمر بچی کی بھی شادی کر دینے کی اجازت دی گئی۔

عیسائیت: بیسویں صدی کے آغاز تک (1917ء سے قبل) کیتھولک چرچ نے شادی کے لیے کم ازکم عمر لڑکی کے لیے بارہ سال اور لڑکے کے لیے چودہ سال مقرر کی۔

ہندو مذہب: ابوریحان البیرونی ”کتاب الہند“ میں ہندوؤں میں شادی سے متعلق احکام کے ذکر میں لکھتے ہیں:

”ہندوؤں کے ہاں بیاہ بہت کم عمری میں ہوجاتا ہے۔وید کی ہدایت کے مطابق باپ لازماً بلوغت سے پہلے لڑکی کی شادی کردے۔اگر وہ ایسا نہ کرے تو بلوغت کے تین سال بعد لڑکی خود شوہر کرسکتی ہے۔شادی کے بعد شوہر اور بیوی کے درمیان صرف موت ہی تفریق کرسکتی ہے،اس لیے کہ ان میں طلاق کا کوئی ضابطہ نہیں۔

اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ دوسرا بیاہ نہیں کرسکتی۔اسے دوصورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوتا ہے یا تو زندگی بھر بیوہ رہے یا خودسوزی کرلے۔خودسوزی یعنی ستی

ہو جانے کو بہتر تصور کیا جاتا ہے۔ راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیا جاتا ہے وہ جلنا چاہیں یا نہ چاہیں۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر سکیں جس سے ان کے نامور شوہر کی عزت کو بٹہ لگے۔''

شادی کے لیے عمر کے تعین کا مسئلہ:

طبعی طور پر پیدائش سے بلوغت کے آغاز تک ایک انسان بچہ کہلاتا ہے۔ بچہ کی تعریف طبی اور معاشرتی لحاظ سے یکساں رہی۔ بچہ بلوغت (Puberty) کے بعد نوجوان (Adolescent) کہلاتا رہا۔ بلوغت لڑکیوں کے ایام کے آغاز (9 سے 15 سال کی عمر، اوسط عمر 12 سے 13 سال) اور لڑکوں میں احتلام یا انزال (12 سے 15 سال) سے ظاہر ہوتی ہے۔ بلوغت میں جسمانی تبدیلیاں 2 سے 5 سال میں مکمل ہوتی ہیں۔

عالمی ادارہ صحت عورتوں کی تولیدی عمر 15 سے 44 یا 49 سال بتاتا ہے۔

اقوام متحدہ نے ''بچوں کے حقوق'' کے کنونشن میں بچہ کی عمر کا تعین کرتے ہوئے اسے اٹھارہ (18) سال قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی طے کر دیا گیا کہ کوئی فرد 18 سال کی عمر سے پہلے کوئی قانونی معاہدہ نہیں کر سکتا، قانون اسے بچہ سمجھے گا۔ شادی بھی چونکہ ایک قانونی معاہدہ ہے اس لیے 18 سال سے پہلے شادی کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ایسی شادی جبری شادی قرار دی جائے گی۔ اس کنونشن میں اس امر کی وضاحت موجود نہیں ہے کہ اگر 18 سال سے کم عمر کے لڑکا اور لڑکی قانونی شادی کے بغیر ہی جنسی تعلقات قائم کر لیں حتیٰ کہ ان کے اس عمل کے نتیجہ میں بچہ بھی پیدا ہو جائے تو قانون اس پر کیا کارروائی کرے گا؟ اگر یہ عمل قابل قبول نہیں تو اس کی روک تھام کے لیے کیا اقدام کیے جائیں گے؟

اس کنونشن پر 30 نومبر 1989ء کو دستخط کیے گئے اور اسے 2 ستمبر 1990ء سے واجب التعمیل قرار دیا گیا۔ کم و بیش تمام ممالک اس پر عملدرآمد کا وعدہ کر چکے ہیں۔

عہد حاضر میں صورتحال:

اقوام متحدہ کی طرف سے بچہ کی عمر اٹھارہ سال قرار دیے جانے اور اس عمر سے پہلے شادی پر پابندی کے حکم نے دنیا کو ایک نئی صورتحال سے دوچار کر دیا ہے۔

اکیسویں صدی کے آغاز پر اقوام عالم کو ''نئی صدی کے ترقیاتی اہداف'' (MDGs) دیئے گئے۔ یہ اہداف 2015ء تک حاصل کرنا مقصود تھا۔ تاہم ان میں سے بہت کم حاصل کیے جا سکے۔ اب 2030ء تک کے لیے ''پائیدار ترقیاتی اہداف'' (SDGs) دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک ہدف یہ بھی ہے کہ دنیا بھر کے ممالک میں 2030ء تک اٹھارہ سال سے کم عمر کے بچوں کی شادی کو جبری شادی قرار دیتے ہوئے اس پر پابندی لگا دی جائے۔ دنیا کے ایک سو نوے (190) ممالک ان اہداف پر عمل درآمد کا عہد کر چکے ہیں اور حکومتیں اس سلسلہ میں مطلوبہ قانون سازی کر رہی ہیں۔

اس سے قبل 2011ء میں گیارہ اکتوبر کو بچیوں کا عالمی دن مقرر کرتے ہوئے اس کا مرکزی موضوع (تھیم) ''بچپن کی شادی کا خاتمہ'' طے کیا گیا۔ 2013-14ء میں اقوام متحدہ کی ''انسانی حقوق کونسل'' اور عورتوں کے مرتبہ پر قائم کمیشن نے بچپن کی شادی (18 سال سے کم عمر) کے خلاف قرارداد منظور کی۔ اسلامی ممالک کی تنظیم (OIC) 2007ء میں بچپن کی شادی کے خاتمہ کے معاہدہ پر دستخط کر چکی ہے۔

پاکستان میں قانونی پیش رفت:

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی استعمار نے اپنا اقتدار مستحکم کرتے ہی پہلے سے موجود تمام قوانین کو منسوخ کرتے ہوئے نئے قوانین وضوابط جاری کیے۔ عائلی قوانین کے ضمن میں 1875ء میں The Majority Act کے تحت انڈیا میں قیام پذیر تمام افراد کے

لیے سن بلوغت کا تعین 18 سال کیا گیا۔ تاہم سیکشن 2 کے مطابق یہ کہا گیا کہ شادی طلاق وغیرہ کے معاملات ہر مذہب کے عائلی قوانین کے مطابق ہوں گے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے اس خطہ پر استعماری دور کے قوانین جوں کے توں نافذ چلے آ رہے ہیں۔

قیام پاکستان سے قبل 28 ستمبر 1929ء میں بچپن کی شادی کے امتناعی ایکٹ کے تحت حکومت برطانیہ نے شادی کے لیے لڑکی کے لیے چودہ سال اور لڑکے کے لیے اٹھارہ سال عمر مقرر کی (متعینہ) سے کم عمر میں شادی کی حوصلہ شکنی کی غرض سے صغر سنی (کم عمری) کی شادی پر سزا کا تعین کیا گیا۔ چنانچہ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کے لیے ایک ماہ قید اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا تجویز کی گئی۔ یہ سزا لڑکی کے ولی پر نافذ ہوگی۔

برصغیر پاک و ہند کے مسلمان اس قانون کے خلاف مسلسل احتجاج کرتے رہے حتیٰ کہ 1937ء میں ان کے احتجاج کے پیش نظر مقرر کردہ عمر سے پہلے شادی کو والدین یا سرپرست کی اجازت سے مشروط کر کے اجازت دے دی گئی۔

قیام پاکستان کے بعد 1961ء میں جاری کردہ مسلم فیملی لاز آرڈیننس کے تحت لڑکی کے لیے شادی کی عمر سولہ سال اور لڑکے کی اٹھارہ سال مقرر کی گئی۔ آرڈیننس کی دفعہ 12 کے تحت سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح کرنا مستوجب سزا ہے۔

پاکستان نے 2009ء میں ''نئی صدی کے ترقیاتی اہداف'' (MDGs) کو قبول کرتے ہوئے بچپن کی شادی کے خاتمہ کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے۔ بعد ازاں 2014ء میں سارک ممالک کی کانفرنس منعقدہ کھٹمنڈو میں کم عمری کی شادی کے خاتمہ کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے گئے۔

عالمی معاہدوں کی پاسداری کے لیے قانون ساز ادارے پہلے سے موجود قوانین میں

ترمیم کے لیے متحرک کیے گئے۔ چنانچہ 2016ء میں قومی اسمبلی میں 1929ء کے شادی کی عمر سے متعلق قانون میں ترمیم کرتے ہوئے ''کم عمری کی شادی'' (لڑکی 16 سال، لڑکا 18 سال) کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والے لڑکی کے باپ اور دلہا کے لیے سزا کو بڑھا کر تین سال قید اور تین لاکھ روپے جرمانہ مقرر کر دیا گیا۔

2017ء میں ایک اور ترمیمی بل کے ذریعے شادی کی عمر لڑکی اور لڑکے دونوں کے لیے اٹھارہ سال مقرر کر دی گئی۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ اگر اٹھارہ سال سے کم عمر کا لڑکا اور لڑکی زنا کے مرتکب ہوں تو ان کے ساتھ بچوں کے لیے مخصوص قوانین کے مطابق معاملہ کیا جائے گا اور ''حدود قوانین'' کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

سینیٹ سے بل کی منظوری کے بعد تمام صوبوں کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے دائرہ میں اس بل کی روشنی میں قانون سازی کریں اور اس کا نفاذ یقینی بنائیں۔

دیگر ممالک:

سو سے زیادہ ممالک میں اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کو شادی کی اجازت ہے۔ بیشتر ممالک میں شادی کے لیے قانونی حد بندی اٹھارہ سال ہے۔ بہت سے مغربی ممالک مخصوص حالات (مثلاً حمل ٹھہر جانے کی صورت) میں اٹھارہ سال سے پہلے شادی کی اجازت دیتے ہیں۔ برطانیہ اور دولت مشترکہ ممالک میں شادی کے لیے عمر کی حد مقرر نہیں۔

آسٹریلیا، جرمنی، اسرائیل اور روس میں والدین کی اجازت سے سولہ سے اٹھارہ سال کے لڑکا اور لڑکی شادی کر سکتے ہیں۔

امریکہ میں شادی کی عمر سے متعلق کوئی فیڈرل قانون نہیں۔ امریکی ریاستیں اپنی قانون سازی میں با اختیار ہیں۔ چنانچہ 37 ریاستوں میں شادی کی قانونی عمر چودہ سال سے سترہ سال ہے جبکہ والدین کی اجازت پر حمل کی صورت میں چودہ سال یا اس سے بھی کم

عمر میں شادی کی جاسکتی ہے۔امریکہ کی 41 ریاستوں میں سال 2000ء سے سال 2014ء کے درمیان دولاکھ سے زیادہ کم عمری کی شادیاں (اٹھارہ سال سے کم) ریکارڈ کی گئیں۔

جاپان میں تیرہ سال کا لڑکا اور لڑکی کسی بھی معاملہ میں فیصلہ کرنے یا اجازت (consent) دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔اس لیے باہم رضامندی سے شادی کر سکتے ہیں۔ زنا بالجبر کی سزا بیس سال قید ہے۔

چین میں لڑکے اور لڑکی دونوں کے لیے شادی کی قانونی عمر 22 سال ہے۔افریقی ممالک میں 51 فیصد سے 76 فیصد شادیاں اٹھارہ سال سے کم عمر میں ہوتی ہیں۔

انڈیا میں شادی کی قانونی عمر 18 سال ہونے کے باوجود 47 فیصد شادیاں 18 سال سے کم عمر میں ہوتی ہیں۔ راجستھان اور بہار میں دوتہائی شادیاں کم عمری کی شادیاں ہیں۔

بنگلہ دیش میں 52 فیصد سے 59 فیصد شادیاں 18 سال سے کم عمر میں ہوتی ہیں جبکہ 18 فیصد شادیاں 15 سال سے کم عمر میں ہوتی ہیں۔

سعودی عرب میں بچوں کی بلوغت کی زیادہ سے زیادہ حد پندرہ سال تسلیم کرتے ہوئے اس سے پہلے شادی کی اجازت نہیں تاہم اٹھارہ سال سے پہلے شادی کی صورت میں عدالتی اجازت درکار ہوتی ہے۔

پاکستان میں شادی کی اوسط عمر لڑکی اور لڑکے کے لحاظ سے بالترتیب بیس اور بائیس سال ہے۔سال 2002ء سے 2010ء کے درمیان 18 سال سے کم عمر میں 24 فیصد اور 15 سال سے کم عمر میں 7 فیصد شادیاں ہوئیں۔سال 2010ء کے بعد یہ شرح گھٹ کر 21 فیصد اور 3 فیصد ہوگئی۔گلگت بلتستان میں بالخصوص جلد شادی کا رجحان ہے۔گزشتہ عشرہ میں پاکستان میں 15 سے 19 سال کی عمر میں 8 فیصد لڑکیاں حاملہ ہوئیں جبکہ 6 فیصد

میں اس دوران بچے پیدا ہوئے۔جناح ہسپتال لاہور میں سال 2018ء کے دوران پیدا ہونے والے 17,247 بچوں میں سے 218 کی مائیں 18 سال سے کم عمر کی تھیں۔

یونیسف کی جون 2018ء کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں 12 ملین لڑکیوں کی شادی 18 سال سے کم عمر میں ہوئی۔اس وقت موجود 650 ملین خواتین 18 سال سے کم عمر میں بیاہی گئیں۔یونیسف کی 2 دسمبر 2019ء میں جاری ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ گزشتہ 25 سالوں میں جنوبی ایشیا میں 18 سال سے کم عمر کی شادیاں 59 فیصد سے گھٹ کر 30 فیصد ہوگئی ہیں۔

شادی کے بغیر یا شادی سے قبل جنسی تعلق:

جنسی تعلق کی خواہش ایک فطری داعیہ ہے۔زندگی کے تیسرے سال بچہ اپنی جنس پہچاننے لگتا ہے۔وہ کسی حد تک جنس مخالف میں کشش بھی محسوس کرتا ہے اور ابتدائی نوعیت کی لذت سے بھی آشنا ہوتا ہے۔

بچپن سے جوانی تک مختلف نظام ہائے جسم ایک دوسرے سے مختلف رفتار اور انداز کے باوجود بلوغت تک پختگی حاصل کر لیتے ہیں۔بلوغت کا دورانیہ دو سے پانچ سال تک رہتا ہے۔ اس دور کا نمایاں ترین اظہار جنسی ہارمونز کے زیر اثر جنسی اعضا کی نشوونما سے ہوتا ہے۔

جسم کی ظاہری اور اندرونی کیمیائی تبدیلیاں بڑی ہیجان خیز ہوتی ہیں۔ بچے کی جذباتیت عروج پر ہوتی ہے،اس لیے کہ ابھی اس کے فیصلے دماغ کے اس حصہ (Amygdala) کے زیر اثر ہیں جو جذبات کو انگیخت دیتا ہے۔

جذبات کو منضبط کر کے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنے والا حصہ (Frontal lobe) تو کہیں 25 سال کی عمر میں پختگی حاصل کرتا ہے۔

یہ جذباتی دور زبردست رہنمائی کا محتاج ہے۔رہنمائی حاصل نہ ہو، ماحول اشتہاء انگیز

ہوتو یہ توقع رکھنا کہ قانونی بندشیں اس کی خواہش اور جذبات کو کسی ضابطہ کا پابند بنا دیں گی، زمینی حقائق اس کی تائید نہیں کرتے۔

جنسی ہارمونز کے زیر اثر جنسی لذت سے آشنائی اسے تجربات پر اکساتی ہے۔ ماحول میں جذبات ابھارنے والے مناظر، مکالمے، تصاویر، اختلاط مردوزن، موسیقی اور اس پر مزید دینی اور اخلاقی تربیت کا فقدان، خاندان کے بزرگوں سے عدم تعلق جیسے عوامل جمع ہو کر جو صورتحال پیدا کرتے ہیں، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔

ایک سروے کے مطابق حصول لذت، جنسی تعلقات قائم کرنے یا محض دل لگی کے لیے 49 فیصد امریکی برقی آلات (سمارٹ فون وغیرہ) پر جنسی مواد کا تبادلہ کرتے ہیں۔ ان میں 70 فیصد 14 سے 18 سال کی عمر کے افراد ہیں جن میں 61 فیصد مرد اور 48 فیصد عورتیں شامل ہیں۔

شادی سے قبل یا بغیر شادی کے تعلقات قائم کرنے کی شرح روز افزوں ہے۔ یہ معاملہ اتنا بڑھ چکا ہے کہ بہت سے ممالک میں باہم رضامندی سے یہ تعلق قائم کرنا کوئی جرم خیال نہیں کیا جاتا۔

ڈیوریکس گلوبل سیکس سروے (Durex Global Sex Survey) کے مطابق 2005ء میں دنیا بھر میں 44 فیصد افراد زنا کے مرتکب ہوئے۔ 2004ء میں 16 فیصد امریکیوں نے شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب کیا۔ 2008ء میں 5.53 فیصد امریکیوں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے قریبی جاننے والوں کے ساتھ ایسے مراسم قائم کیے۔ ان میں سے 12 فیصد مردوں اور ایک فیصد عورتوں نے اس کے لیے رقم بھی ادا کی۔

شادی سے قبل جنسی تجربات کرنے والوں میں بڑی اکثریت 18 سال سے کم عمر بچوں کی ہے۔ 2002ء میں 77 فیصد امریکی بیس سال کی عمر سے پہلے یہ تجربہ کر چکے تھے۔ بیسویں صدی کے آخر تک 75 فیصد سے 80 فیصد امریکی 19 سال کی عمر سے پہلے ایسے تعلقات قائم کر چکے تھے۔

سال 1943ء میں 12 فیصد عورتیں ان تعلقات کے لیے آمادگی ظاہر کرتی تھیں سال 1999ء میں یہ شرح 73 فیصد ہوگئی۔ جبکہ تیس سال کی عمر کی 91 فیصد خواتین نے اعتراف کیا کہ وہ شادی کے بغیر ایسے تعلقات قائم کرتی ہیں۔

مردوں میں آمادگی کی شرح 40 فیصد سے بڑھ کر 1999ء میں 79 فیصد ہوگئی۔ ان میں سے بیشتر نے اعتراف کیا کہ وہ ایک وقت میں ایک سے زائد خواتین سے تعلقات قائم کرتے رہے۔ اس معاملہ میں ہم عمر دوستوں سے مسابقت کا جذبہ بھی ایک بڑی وجہ بنی۔ جن میں سے کچھ کا کہنا تھا کہ وہ ایک ماہ کے دورانیہ میں بیس سے بھی زائد خواتین سے تعلقات قائم رکھتے ہیں۔

سال 2010ء تک شادی کرنے والی خواتین میں سے صرف 5 فیصد باکرہ تھیں۔ ان میں سے 18 فیصد دس سے زائد افراد کے ساتھ تعلقات رکھتی رہیں، 14 فیصد 6 سے 9 افراد کے ساتھ، 3 فیصد 11 افراد کے ساتھ، 2 فیصد 12 افراد کے ساتھ اور 1 فیصد نے 22 افراد کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کا اعتراف کیا۔

یہ بات نوٹ کی گئی کہ جو افراد جتنے زیادہ جنسی ساتھی رکھتے ہیں، ان کی چرچ کی حاضری اتنی ہی کم ہے بلکہ مذہبی رجحان نہ ہونے کے برابر ہے۔

پاکستان میں ایک سروے کے مطابق 11 فیصد مردوں نے شادی سے پہلے جنسی تعلقات قائم کرنے کا اعتراف کیا۔ 29 فیصد شادی شدہ مردوں نے اعتراف کیا کہ انہوں نے اپنی بیویوں کے علاوہ بھی دوسری عورتوں سے تعلقات قائم کیے ہیں۔ کم سن بچیوں کے ساتھ بدفعلی، قتل کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔ سال 2018ء اور 2019ء میں ایسے تین ہزار سے زائد کیس رپورٹ ہوئے۔

شادی کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے کے بڑھتے ہوئے رجحان کے باعث بہت سے ممالک اسے اب کوئی اخلاقی مسئلہ نہیں سمجھتے۔

1960ء کے بعد اکثر مغربی ممالک نے ایسے تعلقات کو قابل قبول قرار دے دیا ہے۔ 2014ء میں PEW کی ایک سٹڈی کے مطابق مغربی ممالک کے 90 فیصد سے زیادہ افراد نے انہیں قابل قبول ہونے کے حق میں رائے دی۔(More widely accepted)۔اس کے برعکس مسلم ممالک کے 90 فیصد سے زائد افراد اسے قابل قبول نہیں سمجھتے۔(Not acceptable)

اٹھارہ سال سے کم عمر میں حمل اور بچوں کی پیدائش کی صورتحال:

جن ممالک میں باہم رضامندی سے جنسی تعلقات شادی کے معاہدہ کے بغیر بھی قائم کرنے کی اجازت ہے۔ مثلاً امریکہ، بیشتر یورپی ممالک نیوزی لینڈ، آسٹریلیا وغیرہ، وہاں اٹھارہ سال سے کم عمر کے زیادہ تر لڑکے لڑکیاں جنسی تجربات سے گزر چکے ہوتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق 95 فیصد امریکی اس عمر میں ایسے تعلقات قائم کر چکے ہوتے ہیں، بارہ ترقی یافتہ ممالک میں سے دس میں دوتہائی بچے 12 سے 18 سال تک ایسے تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔

برطانیہ، ڈنمارک، فن لینڈ، جرمنی، ناروے میں یہ شرح 80 فیصد سے زائد ہے۔ ان میں سے 25 فیصد بچے پندرہ سال سے قبل اور 50 فیصد سترہ سال سے قبل جنسی تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔

ان تعلقات کے نتیجہ میں 18 سال سے کم عمر لڑکیوں میں زیادہ تر استقرار حمل بغیر کسی منصوبہ (unplanned) اور بغیر خواہش (unintended) کے ہوتے ہیں۔

یورپ، شمالی امریکہ اور آسٹریلیا میں شادی کے بغیر بچوں کی پیدائش کی شرح بڑھتی جا رہی ہے۔ اگرچہ بارآوری کی شرح (Fertility rate) میں کمی اور بچہ پیدا کرنے کی عمر میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے نتیجہ میں مجموعی آبادی گھٹتی جا رہی ہے۔ چنانچہ ترقی کا پہیہ رواں رکھنے کے لیے دوسرے ممالک سے افراد کی نقل مکانی کی حوصلہ افزائی کرنا پڑ رہی ہے۔

ان ممالک میں 13 ملین بچے بیس سال سے کم عمر ماؤں کے ہیں۔ امریکہ میں روزانہ 1100 بچے 18 سال سے کم عمر ماؤں (19-15 سال) کے ہاں پیدا ہوتے ہیں۔ اس عمر میں والدین بننے والے 50 فیصد لڑکے اور لڑکیاں باہم رضامندی (Love Parents) سے بچے پیدا کرتے ہیں، ان میں سے شادی کے بندھن میں آنے والے صرف 10 فیصد ہیں۔ ان میں سے 40 فیصد بغیر شادی کے جوڑے بن کر رہتے ہیں۔

مجموعی طور پر معاشرے میں پیدا ہونے والے 40 سے 60 فیصد بچے بغیر شادی کے اکٹھے رہنے والے جوڑوں کے ہو رہے ہیں۔ پہلوٹی کے 50 فیصد سے زائد بچے بغیر شادی کے اکٹھے رہنے والے جوڑوں کے ہوتے ہیں۔

امریکہ میں 1930ء میں 15 سے 19 سال کی ماؤں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کی شرح 28 فیصد تھی جو 1989ء میں بڑھ کر 89 فیصد ہوگئی جن میں سے 66 فیصد بچے تیرہ سال سے چودہ سال کی ماؤں کے تھے۔ ان ترقی یافتہ ممالک میں شادی کی شرح میں مسلسل کمی واقع ہو رہی ہے، چنانچہ 1970ء میں ہزار کی آبادی میں 8.1 شادیاں انجام پائیں جبکہ 2009ء میں یہ شرح پانچ فی ہزار ہوگئی۔

شادی کے بغیر جنسی تعلقات قائم کرنے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر ان ممالک میں ایسے بچوں کے لیے قوانین پر نظرثانی کرتے ہوئے 1970ء میں جائز اور ناجائز کی تمیز ختم کرتے ہوئے انہیں برابر کے حقوق کا مستحق قرار دے دیا گیا۔ اس سے بھی اگلے مرحلہ میں 2002ء میں شادی کے بغیر پیدا ہونے والے بچوں کے لیے ناجائز (illegitimate) کا لفظ غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

چرچ بھی جو شادی کے بغیر پیدا ہونے والے بچوں کو بپتسمہ نہیں دیتے تھے، اب اپنی پالیسی تبدیل کر چکے ہیں۔ پوپ فرانس کا کہنا ہے:

''ماں بچے کو زندگی عطا کر کے ایک عمدہ خدمت انجام دے رہی ہے، چرچ کو اسے دھتکارنا نہیں چاہیے۔''

بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ غلط سمجھا جانے والا کام معاشرے میں عام ہو جائے تو پھر وہ گناہ نہیں رہتا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ایک اندازے کے مطابق بعض ممالک میں موجود کل افراد میں سے ایک تہائی آبادی ان کی ہے جو بغیر شادی کے تعلقات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔

غیر مطلوب حمل اور اسقاط حمل:

حمل کے بیس ہفتے مکمل ہونے سے پہلے کسی بھی طریقہ سے حمل کو ختم کرنا اسقاط حمل (Abortion) کہلاتا ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق 2010ء سے 2014ء کے درمیان 45 فیصد حمل غیر ارادی اور غیر مطلوب (Unintended) تھے۔ دوسرے الفاظ میں تولیدی عمر (15-44 سال) کی ہزار خواتین میں سے 62 میں حمل غیر مطلوب تھے۔

ہر سال آٹھ لاکھ اسقاط، غیر مطلوب استقرار حمل کے باعث کروائے جاتے ہیں۔

یہاں یہ وضاحت مناسب ہوگی کہ ''غیر مطلوب حمل'' کی اصطلاح بالعموم ضبط ولادت کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ ان میں سے بیشتر کا تعلق شادی شدہ جوڑوں سے ہیں۔ تاہم وہ بھی شامل ہیں جن میں شادی کے بغیر حمل ٹھہر گیا۔

غیر مطلوب حمل میں سے 44 فیصد میں زندہ بچے پیدا ہوئے۔ 42 فیصد میں اسقاط کروایا گیا اور باقی خود ضائع ہو گئے۔

تولیدی عمر گزار چکنے والی 50 فیصد سے زیادہ خواتین نے بتایا کہ 45 سال کی عمر تک انہیں کبھی نہ کبھی غیر مطلوب حمل کا سامنا کرنا پڑا۔

عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ 2018ء کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال 40 سے 50 ملین اسقاط حمل ہوتے ہیں۔ (روزانہ 12,500)

غیر مطلوب حمل کا اسقاط بیشتر حاملہ خواتین اپنی خواہش اور رضامندی سے کرواتی ہیں، چنانچہ 56 ملین اسقاط میں سے 42 ملین میں ازخود کروایا گیا۔ سال 2011ء کے اعداد و شمار کے مطابق 18 سال سے کم عمر 574,000 حاملہ لڑکیوں میں سے 75 فیصد کے حمل غیر مطلوب تھے، امریکہ میں ایک سال کے دوران 12 سے 45 سال کی خواتین میں سے تقریباً 5 فیصد میں زنا بالجبر کے نتیجہ میں استقرار حمل ہوتا ہے۔ دنیا بھر میں ہونے والے اسقاط حمل میں ایشیا کا حصہ 64 فیصد ہے۔

سال 2010ء سے 2014ء کے دوران شادی شدہ خواتین میں تولیدی عمر کے دوران اسقاط حمل کی شرح 35 فی ہزار جبکہ غیر شادی شدہ میں 26 فی ہزار تھی۔

ازخود کروائے جانے والے اسقاط میں سے 45 فیصد غیر محفوظ ماحول میں ہوتے ہیں۔ مانع حمل ذرائع کے استعمال کے باوجود 5 فیصد میں حمل قرار پا جاتا ہے۔

مانع حمل ذرائع استعمال نہ کرنے والی خواتین میں غیر مطلوب حمل 41 فیصد سے 54 فیصد رہا۔

برٹش میڈیکل بلیٹن 2003ء کے مطابق ہر سال 70,000 خواتین اسقاط حمل کی پیچیدگیوں کے باعث موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق حمل اور زچگی کی پیچیدگیوں کے باعث مرنے والی خواتین میں سے 8 فیصد اموات غیر محفوظ اسقاط کے باعث ہوتی ہیں۔

رضامندی اور خواہش سے اسقاط حمل کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر دنیا کے 30 فیصد ممالک (امریکہ، یورپ کے بیشتر ممالک، چین، کینیڈا) نے حاملہ خاتون کی درخواست پر طبی اداروں میں اسقاطِ حمل کی قانونی اجازت دے رکھی ہے۔ بعض دیگر ممالک ماں کی جان بچانے کے لیے اسقاط حمل کی اجازت دیتے ہیں۔

پاکستان میں ایک جائزہ کے مطابق 48 فیصد غیر مطلوب حمل میں سے 54 فیصد میں اسقاط کروایا گیا جبکہ 34 فیصد میں غیر مطلوب بچہ(unwanted child) پیدا ہوا۔ تاہم ان میں بہت کم ایسی تھیں جن میں شادی کے بغیر حمل ٹھہرا۔

آنے والے بچہ کو غیر مطلوب کہنااور اس سے جان چھڑانے کی کوشش کیا تکریم انسانیت کے منافی نہیں؟ اس معصوم بچہ کے انسانی حقوق کی حفاظت کس کی ذمہ داری ہے؟

ہم جنس پرستی:

دنیا بھر میں ہم جنس پرستی کی شرح بڑھتی جارہی ہے۔ ہم جنس جوڑے اپنے حقوق منوانے کے لیے عالمی اداروں سے مطالبات کرتے رہے ہیں۔ ڈنمارک سب سے پہلا ملک ہے جس نے 1989ء میں ہم جنس جوڑوں کے درمیان شادی کو قانونی حیثیت دے دی۔ بعد ازاں یورپ کے بیشتر ممالک، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ارجنٹائن، جنوبی افریقہ اور امریکہ میں بھی اسے قانونی جواز عطا کر دیا گیا۔ دنیا بھر میں بالغ افراد میں 1.6 فیصد مرد اور 0.8 فیصد عورتیں ہم جنسی تعلقات رکھتے ہیں۔ بعض ممالک میں یہ شرح 2.1 فیصد سے 8.6 فیصد ہے۔

امریکہ میں 26 جون 2015ء کو سپریم کورٹ نے ہم جنسی کے حق میں رولنگ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رولنگ سے پہلے 7.9 فیصد کی شرح 10.2 فیصد تک جا پہنچی۔

سال 2004ء میں اس کے حق میں 31 اور مخالفت میں 60 آرا تھیں جبکہ 2019ء میں حمایت میں 61 اور مخالفت میں 31 آرا ہوگئیں۔

گیلپ سروے 2017ء میں دیکھا گیا کہ خواتین میں یہ شرح 5.1 فیصد اور مردوں میں 3.9 فیصد ہے۔

2003ء میں کیے گئے ایک سروے میں 18 سال سے کم عمر کے بچوں میں ایک فیصد نے اعتراف کیا کہ ہم جنس پرست ہیں۔

جنسی آزادی کے نتائج:

آزادانہ جنسی تعلقات کے نتیجہ میں انسانی معاشرت اور خود انسانیت جن نتائج سے دوچار ہو رہی ہے، وہ انتہائی سنگین اور بھیانک ہیں۔ کم عمری کی شادی سے جن خطرات کی دہائی دی جارہی ہے یہ نتائج اس سے کہیں زیادہ تباہ کن ہیں۔

شادی ایک ضرورت اور ذمہ داری قبول کرنے کا عہد ہے۔ ذمہ داری اٹھانے کے بجائے محض خواہش کی تکمیل ہی مقصود بن جائے تو معاشرے انتشار اور تخریب کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔ اس طرزِ عمل کی سب سے زیادہ زد خاندان کے ادارے پر پڑی ہے۔

شادی کی ذمہ داریوں سے گریز کی روش بغیر شادی کے جوڑوں (وہ مرد عورت ہوں یا ہم جنس) کی شکل میں رہنے کے رجحان میں اضافہ کا بڑا سبب ہے۔ بچوں کو خواہشات کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھنے کا احساس انہیں بوجھ قرار دیتا ہے۔ اس بوجھ سے نجات کے لیے مانع حمل ذرائع کی فراہمی اور اسقاط حمل کی سہولتیں مسائل کے حل کے بجائے اضافہ کرتی جارہی ہیں۔ بزرگوں کے لیے اولڈ ایج ہومز اور بچوں کے لیے ڈے کیئر سنٹر کیا گھر کے پرسکون اور محبت بھرے ماحول کا نعم البدل ہو سکتے ہیں؟

کیا محض کنڈوم کلچر اور مانع حمل ذرائع کی بآسانی فراہمی، شادی کے ادارے سے باہر بچوں کی پیدائش اور جنسی امراض کی روک تھام کر سکتے ہیں؟ کیا ابتدا ہی سے بچوں کو محفوظ جنس (safe sex) کی تعلیم انہیں ان خطرات سے بچا سکتی ہے؟

غیر مستحکم خاندان:

خاندان کی تعریف بدل چکی ہے، عالمی ادارہ کے مطابق شوہر، بیوی، ان کے بچوں اور بزرگوں پر مشتمل روایتی خاندان ہی خاندان نہیں۔

شادی کے بغیر ایک مرد اور عورت اکٹھے رہتے ہیں تو یہ بھی ایک فیملی ہے۔ دو مرد یا ہم

جنسی تسکین کے لیے اکٹھے ہوں (gays) تو یہ بھی خاندان ہے۔ دو عورتیں اس مقصد کے لیے اکٹھی رہیں (lesbians) تو یہ بھی ایک خاندان ہے۔ ایک عورت یا ایک مرد بچے یا بچوں کے ہمراہ رہتے ہیں (single parent) تو یہ بھی خاندان ہے۔

خاندان کی اس تعریف کے باوجود شادی کا رواج کم تو ہوا ہے مگر ختم نہیں ہوا لیکن شادی شدہ زندگی کی ناپائیداری روز افزوں ہے۔

یورپ میں 1960ء سے 2002ء کے درمیان شادی شدہ جوڑوں میں علیحدگی کے واقعات میں 20 فیصد اضافہ ہوا۔

آسٹریلیا میں ہر تیسری شادی طلاق پر ختم ہوتی ہے۔

امریکہ میں شادی کی شرح 1000 کی آبادی میں 8. 6 ہے۔ طلاق کی شرح 1000 کی آبادی میں 3.6 ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جتنا وقت چرچ میں نکاح کے بول ادا کرنے میں لگتا ہے (دو منٹ) اتنی دیر میں نو شادی شدہ جوڑے طلاق پر ختم ہو جاتے ہیں۔ ہر 13 سیکنڈ میں ایک طلاق ہو رہی ہے اور ایک گھنٹہ میں 227 طلاقیں۔

امریکہ میں مختلف اقسام کے خاندانوں میں طلاق کی شرح کچھ اس طرح ہے:

ہم جنس شادی (عورتیں) 30 فیصد

ہم جنس شادی (مرد) 15 فیصد

مرد/عورت شادی 18 فیصد

شادی شدہ زندگی کا اوسط دورانیہ مردوں میں 8-7 سال اور عورتوں میں 9-7 سال دیکھا گیا۔

طلاق کے بیشتر مقدمات (65-71 فیصد) کی ابتدا عورتوں کی طرف سے ہوئی۔

ان میں سے اکثریت کی عمر بیس سال سے زائد تھی۔ (90 فیصد سے زائد)

طلاق کے معاملات کے جائزہ میں یہ بات سامنے آئی کہ ایک دوسرے سے مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے جوڑوں میں طلاق کی شرح تین گنا زیادہ ہے۔

مذہب سے تعلق رکھنے والے جوڑوں (مذہبی اداروں یا علامات سے تعلق رکھنے والے) میں طلاق کی شرح نمایاں حد تک کم ہے۔

پاکستان میں گزشتہ دس سالوں میں طلاق کے واقعات میں زبردست اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

لاہور شہر میں ایک عدالتی دن میں طلاق یا خلع کے سو سے زائد کیس رجسٹر کیے جاتے ہیں۔

فروری 2005ء سے جنوری 2008ء تک 75,000 کے لگ بھگ علیحدگی کے مقدمات عدالتوں میں پیش ہوئے۔

فروری 2008ء سے مئی 2011ء تک 124,141 مقدمات دائر ہوئے۔
2009ء سے 2019ء تک 259,064 علیحدگی کے مقدمات نمٹائے گئے۔

ایک مقتدر ادارے کے ملازمین کے جائزے میں شادی شدہ جوڑوں میں علیحدگی کی صورتحال کچھ اس طرح رہی۔

2000-1990ء	چار جوڑوں میں
2010-2001ء	22 جوڑوں میں
2019-2011ء	46 جوڑوں میں

یہ سب اعلیٰ تعلیم یافتہ اونچے متوسط طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے۔ ان کی عمریں پچیس سال سے زائد تھیں۔

علیحدگی کے مختلف واقعات کا جائزہ لینے سے جو حقائق سامنے آئے وہ یہ ہیں:

- ملازمت پیشہ خواتین میں طلاق رخلع کی شرح زیادہ ہے۔
- پسند کی شادیوں (love merriages) میں علیحدگی کی شرح نمایاں طور پر زیادہ ہے۔85فیصد ایسی شادیاں طلاق رخلع پر ختم ہوئیں۔
- علیحدگی کے زیادہ تر مقدمات 22-30 سال کے عمر کے جوڑوں میں ہیں۔
- فیملی ایکٹ 2001ء نے علیحدگی کے عدالتی عمل کو آسان بنادیا ہے، اس کے بعد سے رجحان بھی زیادہ ہوگیا ہے۔
- علیحدگی کے اکثر معاملات میں فریقین کے خاندانوں کے دیگر افراد کی دخل اندازی خاندان کا شیرازہ بکھرنے میں اثر انداز ہوئی۔
- قوت برداشت کی کمی، انانیت، بلند معیار زندگی کی خواہش اور ذمہ داریوں کی ادائیگی سے گریز خاندان کے ادارے کو تباہی سے دوچار کرنے میں سب سے اہم ہیں، بالخصوص جب اعلیٰ اخلاقی اقدار کی تربیت کا نظام نہ ہونے کے برابر ہے۔

تنہا والدین:

شادی کے عہد سے گریز کا رجحان مختلف مسائل کو بڑھا رہا ہے، انسانی تکریم رخصت ہو رہی ہے اور اس کا ایک نتیجہ ''تنہا والدین'' (Single Parent) کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔

فروری 2019ء کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں 18 سال سے کم عمر 22 ملین بچے تنہا والدین کے ہمراہ رہتے ہیں۔ ان میں سے تین ملین باپ کے ہمراہ اور انیس ملین صرف ماں کے ہمراہ رہتے ہیں۔

PEW ریسرچ سنٹر کی 12 دسمبر 2019ء کی ایک سوتیس ممالک کی ایک رپورٹ کے مطابق ''تنہا والدین'' کی شرح سب سے زیادہ امریکہ میں ہے جہاں 8.25 فیصد بچے تنہا والدین کے ہمراہ رہتے ہیں۔

یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ سمیت 28 ممالک میں 14 فیصد بچے تنہا والدین کے ہمراہ رہتے ہیں۔

ایشیا افریقہ اور جنوبی امریکہ میں یہ شرح 7 فیصد، جنوبی ایشیا میں 5 فیصد اور چین میں 3 فیصد ہے۔

امریکہ میں 8 فیصد بچے ماں، باپ کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ دار مثلاً آنٹی یا دادا، دادی یا نانا، نانی کے ہمراہ رہتے ہیں۔

امریکی معاشرہ میں تنہا والدین میں سے 80 سے 90 فیصد میں اکیلی مائیں بچوں کو پال رہی ہیں۔ ان میں سے 45 فیصد طلاق یافتہ، 7.1 فیصد بیوہ اور 34 فیصد وہ ہیں جو بغیر شادی کے مائیں بن چکی تھیں۔

تنہا بوڑھے:

بوڑھوں کے حالات بھی کچھ کم فکر انگیز نہیں۔ امریکہ میں صرف 6 فیصد بوڑھے (60 سال سے بڑی عمر کے) خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ رہتے ہیں۔ 27 فیصد بوڑھے اکیلے رہتے ہیں اور 46 فیصد دو بوڑھے (بالعموم ایک مرد اور ایک عورت) مل کر رہتے ہیں۔

یورپ میں تنہا رہنے والے بوڑھے 14-27 فیصد ہیں۔ ایشیاء، افریقہ اور جنوبی امریکہ میں 38 فیصد بوڑھے خاندان کے دیگر افراد کے ہمراہ رہتے ہیں جبکہ اکیلے رہنے والے بوڑھے 16 فیصد اور دو بوڑھے مل کر رہنے والے 31 فیصد ہیں۔

والدین کے جھگڑوں اور علیحدگی کے اثرات:

زوجین کے باہمی جھگڑے اور عدم موافقت خود انہیں ہی ذہنی اذیت، امراض اور پریشانیوں سے دوچار نہیں کرتی بلکہ ان کے خاندان کے دیگر افراد بالخصوص بچے سب سے

زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔معصوم ذہنوں پر ثبت ہونے والے خوف اور عدم تحفظ کے اثرات تاحیات محسوس ہوتے ہیں۔غیر مطمئن والدین کے غصہ کا آسان شکار بچے ہوتے ہیں۔

بچوں پر تشدد (Child Abuse/Battered Children):

مختلف معاشروں میں بچوں پر تشدد کے واقعات بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ بیشتر واقعات میں تشدد والدین کی طرف سے ہوتا ہے۔

امریکہ میں 1996ء میں ایسے تیس لاکھ واقعات رپورٹ ہوئے۔ان میں 77 فیصد میں تشدد کرنے والا فرد والدین میں سے کوئی ایک تھا۔ان میں سے ایک ہزار سے زائد بچے تشدد کے باعث موت کے منہ میں چلے گئے۔

فروری 2019ء کی ایک رپورٹ کے مطابق تشدد کے باعث ہر سال 1200-1400 بچے سنگین معذوری یا موت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

بچوں پر تشدد کے واقعات بارے امریکہ کے نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ہیلتھ کے سال 2021 میں جاری ہونے والے اعداد و شمار کے مطابق: ہر چار میں سے ایک بچہ کسی نہ کسی قسم کے تشدد کا شکار ہوتا ہے۔ان میں 91 فیصد واقعات میں یہ تشدد والدین کی جانب سے ہوتا ہے۔رپورٹ ہونے والے کیسز میں 18 فیصد بچوں پر جسمانی تشدد ہوا، جبکہ 9 فیصد جنسی تشدد کا شکار ہوئے۔

والدین یا خاندان کی جانب سے 78 فیصد بچے عدم توجہی کے باعث مختلف ذہنی اور جسمانی مسائل سے دوچار تھے۔ایک سال سے کم عمر ایک ہزار بچوں میں سے 2.2 میں تشدد جان لیوا ثابت ہوا۔

Child phyisical abuse and neglect;
Brown CL, Yilenli M, Rabbitt AL
Https//:www ncbi.nlm.nih.gov.NB

جسمانی تشدد میں سب سے زیادہ واقعات بچے کو زور زور سے جھٹکے دینے کے رپورٹ ہوئے۔جھٹکوں کے سبب بچہ دائمی معذوری کا شکار ہو جاتا ہے۔معمولی مار کٹائی سے لے کر اٹھا کر پٹخ دینے کے واقعات دیکھے گئے۔بچوں کو تنہا پالنے والی مائیں (single mothers) ایسے واقعات میں زیادہ حصہ رکھتی ہیں اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے بعض دانشور یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

''ایسا معلوم ہوتا ہے ممتا کا زوال ایک وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے''۔

یہ واقعات سوسائٹی کے تقریباً ہر طبقہ میں دیکھنے میں آئے۔منشیات کی لت، والدین کی علیحدگی، معاشی پریشانیاں اہم عوامل کے طور پر سامنے آئے ہیں۔

بعض اوقات والدین میں سے کسی ایک میں نظم وضبط پر بے جا اصرار، انہیں بچوں کے جذبات اور ضروریات کا ادراک کرنے سے قاصر رکھتا ہے اور وہ معصوم بچوں کو تشدد کا نشانہ بنانے لگتے ہیں۔

نوجوانوں کی بے راہروی (Juvenile Delinquency):

بلوغت کے ابتدائی سالوں (13-18) سال میں نوجوانوں کا قانون سے متصادم رویے اپنانا ایک بڑا مسئلہ بن چکا ہے۔بعض معاشروں میں یہ صحت (ذہنی) کا سب سے اہم مسئلہ گردانا جا رہا ہے۔

یہ رویے ہوٹنگ، ہلڑبازی، توڑ پھوڑ، ون ویلنگ سے بڑھتے بڑھتے منشیات کے استعمال، چوری، ڈاکے، جھگڑے، فائرنگ، جنسی بے راہروی اور زنا بالجبر تک جا پہنچتے ہیں۔

سال 2008ء میں تشدد اور زنا بالجبر کے واقعات میں 7.16 فیصد حصہ 18 سال سے کم عمر بچوں کا تھا۔

زنا بالجبر کے تمام واقعات میں 20 فیصد 18 سے کم عمر بچے تھے۔بچوں کے ساتھ

جنسی تعلقات (Child Molestation) قائم کرنے والوں میں 50 فیصد 18 سال سے کم عمر کے بچے تھے۔ اس عمر کے 20.61 فیصد بچے دیگر جنسی جرائم کے مرتکب ہوئے۔

سال 2006ء میں زنا بالجبر کے الزام میں گرفتار ہونے والوں میں 15 فیصد 18 سال سے کم عمر افراد تھے۔ ان میں 10 فیصد لڑکیاں اور 47 فیصد پندرہ سال سے کم عمر لڑکے تھے۔ ان میں 13 سال کا ایک لڑکا بھی تھا جس نے 9 سال کے لڑکے کے ساتھ جنسی تعلق قائم کیا۔

(Report of center for sex offender management)

سکنڈے نیوین ممالک میں جنسی جرائم میں 18 سال سے کم عمر بچوں کا حصہ 21 فیصد ہے۔

پاکستان میں اس عمر کے بچوں میں منشیات کا بڑھتا ہوا رجحان سامنے آرہا ہے۔

ہلڑ بازی، ون ویلنگ جیسے واقعات بڑھتے جارہے ہیں۔ سال 2012ء کی ایک رپورٹ کے مطابق 1860 کے تعزیراتی قوانین کے سیکشن 83 کے تحت مختلف جرائم کا ارتکاب کرنے والے 1500-2000 بچے فیصل آباد اور بہاولپور کی بورسٹل جیل (بچوں کے لیے مخصوص) میں تھے۔

ماہرین بچوں کے اس سماج دشمن (Anti social) رجحان کو بچپن میں حاصل کم توجہ کے سبب غیر معمولی فعالیت کی خرابی کا نام دیتے ہیں۔

Attention Deficit Hyperactivity Disorder (ADHD)

اس مسئلہ کی وجوہات کے تعین میں درج ذیل عوامل پائے گئے ہیں۔

- غیر مستحکم خاندان (Broken Families): خاندان بچے کو ذہنی آسودگی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سکھانے والا سب سے اہم ادارہ ہے۔ جب یہ ادارہ انتشار کا شکار ہو تو بزرگوں کی شفقت سے محرومی بچے کے ذہن کو ایسے صدمے اور اذیت سے دوچار کرتی ہے کہ پھر اس کا مداوا ممکن نہیں ہو پاتا۔

- تنہائی کے شکار بچے: عدم توجہی، بچے کے ساتھ تبادلہ خیالات نہ کرنا، ان کے قصے کہانیاں نہ سننا، ان کے سوالات پر ان کو تسلی بخش جواب دینے کے بجائے انہیں جھڑک دینا، اخلاقی تربیت کا فقدان، بڑوں کا لاپرواہی پر مبنی غلط طرز عمل بچوں کو ماحول کا باغی بنا دیتا ہے۔

چند دیگر عوامل یہ ہیں:

- والدین کے متشدد رویے
- بری صحبت، بے راہروی کے شکار دوست
- منشیات کا استعمال
- مالی ناآسودگی

جنسی امراض:

جنسی آزادی اور بے راہروی کا ایک اور شاخسانہ جنسی امراض (sexually transmitted diseases) کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں ان امراض میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔

عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ کے مطابق جنسی امراض اس وقت صحت کے پانچ بڑے مسائل میں سے ایک ہے۔

تیس سے زائد بیکٹریا، وائرس اور دوسرے طفیلی حشرات جنسی عمل کے ذریعہ ایک دوسرے میں منتقل ہوتے ہیں۔ یہ جراثیم جنسی رطوبتوں کے علاوہ خون، دودھ اور دوسری جسمانی رطوبتوں کے ذریعے بھی منتقل ہو سکتے ہیں۔ دوران پیدائش بچہ ماں سے انفیکشن لے کر ان امراض کا شکار ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں دائمی بیماری اور معذوری لاحق ہو جاتی ہے۔

پیدائش پر کم وزن، آنکھوں کی سوزش، بینائی کا ضائع ہونا، نمونیا، بہرا پن، جگر، دماغ

اور دیگر اہم اعضاء کی سوزش وغیرہ معذوری ہی نہیں موت کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ان امراض میں مبتلا ماؤں کے تین لاکھ پانچ ہزار (305,000) نوزائیدہ یا شیر خوار بچے ہر سال موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔جبکہ مزید دولاکھ پندرہ ہزار بیماری کی اذیت سے دوچار ہوکر خطرے کی زد میں رہتے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت کی رپورٹ کے مطابق ہرروز ایک ملین (دس لاکھ) افراد ان امراض سے متاثر ہوتے ہیں۔ایک سال میں پچاس کروڑ افراد ان میں سے کسی نہ کسی جراثیم کے میزبان بنتے ہیں۔

امریکہ میں ہر سال دو کروڑ سے زائد (26 ملین) جنسی امراض کے نئے مریض تشخیص ہوتے ہیں، ان میں ایڈز سے متاثر ہونے والے مریضوں کی تعداد گیارہ لاکھ کے قریب ہے۔

ایک اندازے کے مطابق نصف سے زیادہ آبادی زندگی میں کبھی نہ کبھی جنسی امراض میں سے کسی نہ کسی میں مبتلا ہوگی جن میں ممکنہ طور پر 23 فیصد 13 سے 18 سال کی عمر کے ہوں گے۔

متعدی امراض کی روک تھام کے ادارے کی اپریل 2022ء میں شائع ہونے والی رپورٹ کے مطابق نئے کیسز میں 50 فیصد 15 سے 24 سال کے افراد ہوتے ہیں۔جبکہ پچیس سے چالیس فیصد اٹھارہ سال سے کم عمر کے بچے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق متاثرہ افراد میں 50.5 فیصد مرد اور 49.5 فیصد عورتیں تھیں۔ہم جنس پرست افراد میں جنسی امراض کی شرح زیادہ پائی گئی۔امریکہ میں ہر سال 16 بلین ڈالر ان بیماریوں کی تشخیص اور علاج پر خرچ ہوجاتے ہیں۔

(Https:/www.cdc.gov.std)

تھائی لینڈ میں سال 2002 میں ایک لاکھ کی آبادی میں 25.2 افراد نے جنسی امراض کی تشخیص یا علاج کے لیے مراکز صحت سے رجوع کیا۔سال 2009ء میں یہ تعداد بڑھ کر 37.22 فی لاکھ ہوگئی۔

سال 2002 میں ان بیماریوں میں مبتلا ہونے والے 15 سے 24 سال کی عمر کے افراد کا حصہ 30.31 فی لاکھ تھا جو 2009 میں 76.12 فی لاکھ ہوگیا۔یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ نوجوانوں میں پہلی مرتبہ جنسی تجربہ کرنے کی اوسط عمر میں مسلسل کمی آرہی ہے۔چنانچہ 2002ء میں اگر یہ 13 سال تھی تو 2009 میں 12.9 سال نوٹ کی گئی۔

STIs WHO.int.

Https//:www.who.int.

تشویشناک بات یہ ہے کہ زیادہ تر جنسی امراض میں ابتدائی مراحل میں کوئی علامات ظاہر نہیں ہوتیں، وہ خاموشی سے پورے جسم کو جکڑے چلے جاتے ہیں۔ان کا علم اس وقت ہوتا ہے جب سارے جسمانی اعضا اور نظام ان کی لپیٹ میں آچکے ہوتے ہیں۔حتیٰ کہ ان کے نتیجہ میں بانجھ پن، کینسر اور موت تک پیش آسکتی ہے۔بانجھ پن کے 15 فیصد کیس انہی بیماریوں کے سبب ہوتے ہیں۔

ان امراض میں سے بہت کم کے خلاف حفاظتی ٹیکے بنائے جاسکے ہیں۔زیادہ تر میں علاج سے مکمل شفا نہیں ہوپاتی۔کچھ میں تو بالکل نہیں ہوتی۔مردوں میں ابتدائی عمر میں کروایا گیا ختنہ کسی حد تک بچاؤ فراہم کرتا ہے۔تاہم اس پر مکمل انحصار نہیں کیا جاسکتا۔ان امراض سے بچاؤ کے لیے کنڈوم کے استعمال کو فروغ دینے کا کہا جاتا ہے لیکن گزشتہ کئی سالوں سے ان کے استعمال کے باوجود کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکا۔

ماہرین صحت کی رائے میں ان سے بچنے کا واحد حل صرف قانونی شادی ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے یا بعد زوجین کسی دوسرے سے جنسی تعلق قائم نہ کریں۔

اشتہارات میں عورت کا جنسی استحصال:

یونیسف کی ایک رپورٹ (جو 15 جنوری 2020ء کو جاری کی گئی) میں امریکن

سائیکولوجیکل ایسوسی ایشن (APA) کی ایک تحقیق کے حوالے سے بتایا گیا کہ میڈیا (برقی اور مطبوعہ) پر لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ جنسی استحصال کا شکار ہوتی ہیں۔ ان کا لباس، ان کے جسمانی خدوخال، چہرے کے تاثرات اس طرح دکھائے جاتے ہیں کہ وہ جنسی آمادگی (sexual readiness) کو ظاہر کرتے ہیں۔

ویزلیاں یونیورسٹی (wesleyan university) میں کی گئی تحقیق میں 58 مختلف جرائد میں شائع ہونے والے اشتہارات کے جائزہ سے یہ بات سامنے آئی کہ 8.51 فیصد اشتہارات میں عورت کو ایک جنسی شے (sex object) کے طور پر پیش کیا گیا۔ جو میگزین مردوں کے زیر مطالعہ زیادہ ہوتے ہیں ان میں یہ شرح 76 فیصد تک نوٹ کی گئی۔

امریکن جنرل آف سائیکیٹری نے نوجوانوں کی عادات اور طرز عمل (Habits of teens) کے بارے میں کیے گئے ایک سروے کی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ 10 سے 25 فیصد نوجوان جنسی مواد ایک دوسرے کو بھیجتے ہیں جبکہ 15-35 فیصد کو ایسا مواد موصول ہوا۔

جنسی اشتہا انگیزی (Hyper sexualization) نے لڑکیوں اور عورتوں کو نفسیاتی مسائل سے دوچار کر رکھا ہے۔ جن میں شرم، اضطراب، ذہنی دباؤ، کم حوصلگی، کھانے پینے کی عادات میں تغیر عام ہیں۔ وہ اس فکر میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ وہ دوسروں کو کیسی دکھائی دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ 6 فیصد لڑکیاں تقریبات میں شرکت سے اس لیے گریز اختیار کرتی ہیں کہ ان کے خیال میں وہ زیادہ اچھی نہیں لگ رہیں۔

رپورٹ میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ میڈیا خواتین کو یہ پیغام دیتا ہے کہ انہیں طاقتور نہیں خوبصورت ہونا چاہیے، نگاہوں میں جچنا چاہیے، ان کے لیے احترام سے زیادہ اہم یہ ہے کہ وہ حسین دکھائی دیں۔

کم عمری کی شادیاں کیوں ہوتی ہیں؟

مختلف معاشروں میں اٹھارہ سال سے کم عمر میں شادی کی مختلف وجوہات ہیں۔

ان ممالک میں جنسی تعلق کے نتیجہ میں (جو بالعموم باہم رضامندی سے قائم کیا جاتا ہے) حمل ٹھہر جانے کی صورت میں شادی کے لیے عدالتی اجازت حاصل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ 18 سال سے کم عمر کے لڑکے لڑکیاں جو شادی کے دائرہ میں آنے کے خواہشمند ہوں، شادی کر لیتے ہیں۔

ایشیا اور افریقہ:

یہاں کے بیشتر ممالک کم ترقی یافتہ کہے جاتے ہیں۔ شادی کے بغیر جنسی تعلقات معاشرے میں پسندیدہ قرار نہیں دیئے گئے۔

- زیادہ تر معاشروں میں 18 سال سے کم عمر کی بچی یا بچے کی شادی عصمت کے تحفظ کے خیال سے کی جاتی ہے۔ دیہی، گنجان شہری علاقوں اور کچی آبادیوں میں رہائشی مسائل کے باعث جہاں ایک کمرے میں پورے خاندان کو رہنا پڑتا ہے، بچیوں اور بچوں کے تحفظ کے خیال سے ان کی جلد شادی میں لوگ سہولت محسوس کرتے ہیں۔
- غربت اور معاشی و معاشرتی مسائل کے باعث والدین بچوں کی شادی جلد کر دیتے ہیں۔ مثلاً جنگوں کی وجہ سے عدم تحفظ کا احساس!
- بعض علاقوں میں کم عمر بچیوں کو جہیز کم دینا پڑتا ہے۔ اس لیے ان کی شادی بلوغت کے فوراً بعد کر دی جاتی ہے۔
- جن علاقوں میں بچیوں کی خرید و فروخت (علانیہ یا خفیہ) کا رجحان یا خدشات ہیں وہاں انہیں کم عمری ہی میں اس غیر قانونی کاروبار سے وابستہ لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا ہے جو ان بچیوں کو جنسی استحصال کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ایسے

خدشات کے پیش نظر محتاط والدین کسی پریشانی سے بچنے کے لیے بچیوں کی شادی جلد کر دیتے ہیں۔

- بچوں کی جلد شادی کرنے والے والدین کی رائے ہے کہ اس سے نہ صرف نگاہوں کی حفاظت ہوتی ہے بلکہ لڑکی اور لڑکے کے ایک ہی ماحول میں پروان چڑھنے سے ان کی عادات مشترک ہوتی ہیں۔ان میں ہم آہنگی ہوتی ہے اور وہ زیادہ خوش رہتے ہیں۔

بعض لوگ اپنا تجربہ بتاتے ہیں کہ کم عمر والدین (اٹھارہ سال سے کم) اپنے بچوں کے ساتھ زیادہ انس رکھتے ہیں(Good bonding) اور یوں ان کے بچے زیادہ دوستانہ ماحول میں پرورش پاتے ہیں۔

کم عمری کی شادی کیوں نہیں؟:

اقوام متحدہ اور عالمی ادارہ صحت اٹھارہ سال سے کم عمر افراد کی شادی سے پیدا ہونے والے جن مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

- بچوں کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔ معاشرہ کی تعلیمی پسماندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ بالخصوص لڑکیاں تعلیم جاری نہیں رکھ پاتیں۔
- کم تعلیم کے باعث ایسی لڑکیاں معاشی سرگرمی میں خاطر خواہ حصہ نہیں لے سکتیں چنانچہ معاشرتی غربت میں اضافہ ہوتا ہے۔
- ماں باپ بننا بڑی ذمہ داری کا کام ہے اس عمر کے والدین کی تربیت سے متعلق مناسب علم نہ رکھنے کے باعث کوتاہی کے مرتکب ہوتے ہیں یوں معاشرہ اچھے تربیت یافتہ افراد سے محروم ہوجاتا ہے۔
- جذباتی ناپختگی کے باعث اس عمر میں ذہنی ہم آہنگی نہیں ہو پاتی، چنانچہ علیحدگی اور گھریلو تشدد کے واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔

- حمل اور زچگی کی پیچیدگیاں زیادہ ہونے کا امکان ہوتا ہے، چنانچہ ان میں بیماری، معذوری اور اموات زیادہ ہوسکتی ہیں۔
- کم عمر ماؤں کے بچے کم وزن کے یا قبل از وقت پیدا ہوتے ہیں چنانچہ نوزائیدہ اور شیر خوار بچوں کی شرح اموات اور بیماری میں اضافہ ہوتا ہے۔
- ناتجربہ کاری اور محفوظ ذرائع استعمال نہ کرنے کے باعث جنسی امراض کا زیادہ خدشہ ہوتا ہے۔
- تولیدی دورانیہ (15-49 سال) زیادہ ہونے کے باعث بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں۔یوں تحدید آبادی کی مہم متاثر ہوتی ہے۔

کم عمر ماؤں میں حمل اور زچگی کی صورتحال:

اٹھارہ سال سے پہلے شادی کی صورت میں جن مسائل کا زیادہ تذکرہ ہوتا ہے ان میں حمل اور زچگی اہم ہیں۔اس سلسلہ میں چند رپورٹس درج ذیل ہیں۔

سویڈن:

جون 1973ء سے سال 2010ء تک 36,944,292 بچوں کی پیدائش ریکارڈ کی گئی۔ان میں 2.9 فیصد بچے 15 سے 17 سال کی ماؤں کے تھے اور 29 فیصد بچوں کی مائیں 18 سے چوبیس سال کی تھیں۔

ان کی صحت کے معاملات کے موازنہ میں یہ بات سامنے آئی کہ بچے کی پیدائش کے لیے جراحی اور دیگر پیچیدگیوں (perineal damage) کی شرح 18 سال سے کم عمر ماؤں میں نمایاں طور پر کم رہی۔

18 سال سے کم عمر ماؤں میں 11-6 فیصد

18 سال سے زیادہ عمر ماؤں میں 8.2-14 فیصد

البتہ کم عمر ماؤں کے بچوں کا اوسط وزن دوسرے بچوں کی نسبت 6.133 گرام کم رہا۔

نوزائیدہ بچوں میں بیماری یا اموات کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں دیکھا گیا۔

طبی جریدہ لینسٹ (Lancet) نے مارچ 2014ء میں 144 ممالک کی ایک تحقیقی رپورٹ شائع کی۔ اس رپورٹ کے مطابق خوشحال و مفلس، اعلیٰ تعلیم یافتہ، کم تعلیم یافتہ، غیر تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ، پسماندہ ہر طرح کی خواتین کے موازنہ میں یہ بات سامنے آئی کہ ماؤں کی شرح اموات کا کم عمری کی شادی یا حمل سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اصل سبب دوران حمل و زچگی مناسب سہولتوں اور خدمات کا عدم حصول ہے۔

مختلف سٹڈیز میں یہ بات سامنے آئی کہ 18 سال سے کم عمر ماؤں میں تولیدی اعضاء (رحم اور اندام نہانی) طبعی طور پر نارمل بچے کی پیدائش میں معاون ہیں۔

مسائل بالعموم کم علمی، ناتجربہ کاری، نامناسب رہنمائی اور معاشی وجوہ کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ متوازن غذا، مناسب رہنمائی اور صحت کی سہولتیں میسر ہوں تو ان پر قابو پانا کچھ مشکل نہیں۔

خالق کائنات نے دوران حمل ماں کی صحت کی حفاظت کا زبردست انتظام کر رکھا ہے۔ اس دوران ہونے والی کیمیائی تبدیلیاں (anabolic metabolism) ماں کے لیے معاون ثابت ہوتی ہیں۔ وہ نہ صرف حمل کی ذمہ داریاں احسن طریقہ سے ادا کر لیتی ہے بلکہ رضاعت کے لیے بھی تیار ہوجاتی ہے۔ حمل کے ابتدائی 24 سے 28 ہفتوں میں ماں کے جسم میں چکنائی، پروٹین اور کاربوہائیڈریٹ کو کچھ اس طرح متحرک کیا جاتا ہے کہ وہ بچے کی نشوونما میں مددگار ہوں۔ حمل کے آخری 12 سے 14 ہفتوں میں Ketone bodies کی اضافی مقدار گلوکوز کے متبادل کے طور پر ایندھن کا کام دیتی ہے۔ یہ انسانی دماغ کی ذہنی صلاحیتوں کی تشکیل میں مددگار ہیں اور قوت مدافعت میں اضافہ کرتے ہیں۔

مسائل کا حل؟:

عالمی ادارہ جن مسائل کو پیش نظر رکھتا ہے، وہ کچھ یوں ہیں:

- خواتین معاشرے میں کم حیثیت اور پسماندہ ہیں۔
- ان میں بیماری اور اموات کی شرح زیادہ ہے۔
- جنسی امراض کی کثرت ہے۔
- آبادی میں اضافہ کا رجحان ہے۔

ان کا حل جو تجویز کیا گیا وہ یہ ہے:

- اعلیٰ معیارِ زندگی کے حصول کے لیے 18 سال سے کم عمر بچوں کی شادی پر پابندی لگادی جائے۔
- جنسی امراض سے بچاؤ کے لیے بچوں کو سکولوں میں جنسی تعلیم (sex education) دی جائے۔ مزید برآں میڈیا کے ذریعہ لوگوں میں شعور بیدار کیا جائے۔
- آبادی میں اضافہ روکنے اور حمل اور زچگی کے مسائل سے بچنے کے لیے مانع حمل ذرائع ہر ایک کے لیے قابل رسائی بنادیئے جائیں۔
- ان مقاصد کے حصول کے لیے حکومتیں، سول سوسائٹی اور نوجوان مل کر کام کریں۔

جنسی تعلیم:

یورپ اور امریکہ میں محفوظ سیکس (safe sex) کے عنوان سے ستر کی دہائی سے سکول کے بچوں کو لازمی مضمون کے طور پر تعلیم دی جارہی ہے۔ سکول چھٹی جماعت سے یہ تعلیم شروع کرتے ہیں۔ ماحول کے لحاظ سے بعض سکول چوتھی جماعت سے ہی شروع کردیتے ہیں۔

بنیادی مقاصد یہ ہیں کہ جنسی تعلق اگر قائم کرنا ہے تو حمل سے کیسے محفوظ رہیں جنسی امراض سے حفاظت کس طرح ممکن ہے۔

دونوں مسائل کا حل مانع حمل ذرائع میں ہے۔ تعلیمی سال کے تیس سے چالیس گھنٹے اس تعلیم کے لیے وقف کیے جاتے ہیں۔ نظری تعلیم کے علاوہ رول پلے کے ذریعے عملی تربیت بھی فراہم کی جاتی ہے۔ اس موضوع کے تحت نصاب کے اہم مندرجات یہ ہیں:

- صحت مند جنسی تعلقات: یہ تعلقات باہم رضامندی سے قائم کیے جائیں اور مانع حمل ذرائع استعمال کیے جائیں۔
- جنسی معلومات کے لیے انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا محفوظ استعمال۔
- غیر مطلوب حمل سے بچاؤ (prevent unintented teen pregnancy) کے طریقے۔
- استقرار حمل ہو ہی جائے یا غیر محفوظ تعلق کے باعث ہونے کا خدشہ ہو تو سکول کے ایمرجنسی روم میں ایمرجنسی مانع حمل گولیوں کی فراہمی یقینی بنائی جائے اور بچوں کے لیے ان کا حصول آسان ہو۔
- استقرار حمل کی صورت میں اسقاط حمل کی سہولت کا حصول میسر ہو۔

سالہا سال کے تجربات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جنسی تعلیم مسائل کو حل کرنے کے بجائے اشتہا انگیز ثابت ہوئی ہے۔ دوسری جانب مانع حمل ذرائع کی آسان فراہمی بلوغت کے ابتدائی ادوار میں جنسی تجربات کی حوصلہ افزائی میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔ چنانچہ مختلف ممالک میں ٹین ایج سیکس اور اس سے متعلق مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔

شادی میں تاخیر کے مسائل:

عالمی اداروں اور حکومتوں کی مسلسل کاوشوں کے باعث شادی کی اوسط عمر میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ لڑکیوں کا تعلیمی اور معاشی میدان میں مسابقت کا جذبہ مناسب رشتوں کے حصول میں دشواری کا سبب ہے۔

ایک سروے کے مطابق 45 فیصد خواتین کی شادی 23-27 سال کی عمر میں ہوئی، 22 فیصد کی 23 سال سے پہلے اور 33 فیصد کی 27 سال کے بعد۔ جبکہ مردوں میں 38 فیصد میں 27-30 سال کی عمر میں، جبکہ 29 فیصد میں 27 سال سے پہلے اور 33 فیصد میں 30 سال کے بعد شادی ہوئی۔ شادی کے لیے معیاری عمر 23-27 سال سمجھی جا رہی ہے۔ اس کے بعد شادی میں تاخیر کے باعث متعدد مسائل مشاہدے میں آ رہے ہیں۔ تیس سال کی عمر کے بعد مسائل مزید بڑھ جاتے ہیں۔

حاملہ خواتین میں 5 فیصد میں پہلا حمل تیس سال کی عمر کے بعد ہوتا ہے۔ حمل کی عمر میں اضافہ کے ساتھ صحت کے مسائل بڑھتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جن مسائل سے سابقہ پیش آتا ہے وہ یہ ہیں:

- نفسیاتی مسائل: شادی کی عمر میں تاخیر سے ذہنی اضطراب، تشویش، ذہنی دباؤ، ڈپریشن میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔
- دوران حمل بلڈ پریشر میں اضافہ اور دیگر مسائل کے باعث جگر اور گردے متاثر ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔
- دوران حمل ذیابیطس کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔
- جڑواں بچوں کی پیدائش کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔
- بچوں میں پیدائشی جینیاتی نقائص کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

مثلاً ڈاؤن سنڈروم کا 25 سال کی عمر میں 1340 حاملہ خواتین میں سے ایک میں امکان ہے۔ 30 سال کی عمر میں 940 میں ایک اور 35 سال کے بعد 85 میں ایک ہو جاتا ہے۔

- دوران حمل بلڈ پریشر میں اضافے کے باعث دماغ کے متاثر ہونے سے جھٹکے

لگنے شروع ہوجاتے ہیں۔ اس صورتحال میں ماں اور بچے دونوں کی موت کے خدشات بڑھ جاتے ہیں۔

- حمل ٹھہرنے کی عمر میں اضافے سے اسقاط حمل کے امکان بھی زیادہ ہوجاتے ہیں۔
- بڑی عمر کی ماؤں کے نوزائدہ بچوں میں پیدائش پر کم وزن اور بعد میں نفسیاتی مسائل اور آٹزم (Autism) زیادہ دیکھنے میں آتا ہے۔

پاکستان میں شادی کے لیے عمر کی حد مقرر کرنے کے نتائج:

پاکستان میں شادی کے لیے 18 سال کی عمر کے تعین، دوسری جانب تعلیمی اداروں، دفاتر اور محفلوں میں اختلاط کی حوصلہ افزائی کے باعث اب نوجوانوں میں نت نئے مسائل سامنے آرہے ہیں۔

خفیہ تعلقات، چوری چھپے آشنائیاں، گھروں سے فرار، خاندان سے بغاوت، غیرت کے قتل، تھانے کچہریوں کے چکر، مقدمات کی بھر مار! حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور شادی شدہ جوڑوں میں علیحدگی کی شرح میں اضافہ ہورہا ہے۔

والدین اپنے کم عمر بچوں کے ایسے معاملات دیکھتے ہوئے شادی کرنا بھی چاہیں تو قانون اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اسلام مسائل کا کیا حل دیتا ہے؟:

ساری دنیا اس بنیادی اصول پر متفق ہے کہ:

''Prevention is better than cure''

''پرہیز علاج سے بہتر ہے۔''

جنسی خواہش ایک فطری تقاضا ہے۔ یہ اتنا نازک معاملہ ہے کہ آنکھ، کان، خوشبو، خیال تک سے ''فعال'' ہوجاتا ہے۔

اسلام نے جنسی تعلقات قائم کرنے کے لیے عمر کی حد مقرر کرنے کی بجائے خواہش کی تسکین کے لیے نکاح کا حصار قائم کر دیا۔ نکاح کے ذریعے قائم ہونے والے خاندان کی اہمیت کے پیش نظر اس بنیادی انتظامی یونٹ کو انتشار سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کے منتظم اعلیٰ کا تقرر رب حکیم نے خود کر دیا۔ مرد کو خاندان کا ''قوام'' مقرر کرتے ہوئے اس پر بھاری ذمہ داریاں ڈال دیں، خاندان کے افراد کی کفالت، حفاظت، تعلیم و تربیت، دلجوئی سب اس کی ذمہ داری ٹھہرے۔

ایک جانب اسے بزرگ والدین کے سامنے عجز وانکساری کا حکم دیا، ان کی خدمت کی ذمہ داری سونپی، دوسری جانب اس سے توقع رکھی گئی کہ وہ اپنا مال اپنی بیوی اور بچوں پر خرچ کرے گا۔

عورت شوہر کے گھر اور بچوں کی نگران، اس کی مشیر، گھر کی وزیر داخلہ اور وزیر خزانہ ہے تاہم کسی بھی ادارے کے استحکام اور کامیابی کا دارومدار اس پر ہے کہ ادارے کے سربراہ کے حق حاکمیت کو تسلیم کیا جائے۔ ذمہ داریوں کی تقسیم کی حد بندیاں توڑی جائیں تو خاندان کمزور ہوتے ہوتے ٹوٹ کر رہ جاتے ہیں، معاشرتی توازن بگاڑ کا شکار ہوجاتا ہے اور نسل انسانی فساد سے دوچار ہوجاتی ہے۔

اسلام میں نکاح کے لیے عمر کے تعین کا مسئلہ:

عورت اور مرد کے ایک دوسرے سے فطری طور پر متمتع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اخلاق کے دائرے میں لایا جائے، اس فطری تقاضے پر کسی طرح کی پابندی لگانے کے بجائے اسے ضابطے کا پابند بنا کر قانون کے دائرے میں لایا جائے۔ باہم مواصلت کی خواہش بلوغت کے ساتھ ہی شروع ہوجاتی ہے، اسے اگر قانون و ضابطے میں نہ لایا جائے تو شیطانی خیالات انسان کو فتنوں میں مبتلا کر کے رہتے ہیں۔

قرآن کریم میں نکاح کو ''احصان'' سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی قلعہ تعمیر کرنا ہے۔ گویا نکاح وہ مضبوط حصار ہے جو مرد اور عورت کے اخلاق کی حفاظت کرتا ہے۔ ''احصان'' کے بغیر عورت اور مرد کا آزادانہ تعلق نہ صرف غیر فطری ہے بلکہ انسانی اخلاق اور تہذیب کے لیے باعث فساد ہے۔ خواہش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات ان مہلک برائیوں میں سے ہیں جن کے اثرات افراد ہی کو نہیں معاشرے اور اقوام کو بھی تباہ کر دیتے ہیں۔

انسانی حقوق کے نام پر اختلاط مرد وزن، ڈیٹنگ کے نام پر باہم روابط، زنا اور ہم جنس پرستی کو جائز قرار دینے کے باوجود اس کے ثمرات و نتائج آج بھی ہر معاشرہ میں قابل تعزیر جرائم سمجھے جاتے ہیں۔

اسلام جن امور کو حرام سمجھتا ہے اس کے لیے تعزیرات اور حدود متعین کرتا ہے تو پھر ان کے مقدمات تک پہنچانے والے اسباب پر بھی پابندیاں عائد کرتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی جان لیوا بیماری سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنا لازم سمجھا جاتا ہے۔

احتیاطی تدابیر:

معاشرہ کو اخلاقی پاکیزگی عطا کرنے اور باحیا رکھنے کے لیے جن تدابیر کو لازم کیا گیا وہ یہ ہیں۔

- سد ذرائع کے طور پر سب سے پہلا حکم نگاہوں کی حفاظت کا ہے۔ ''غض بصر'' یعنی نظریں پست رکھنا حیا کا لازمی تقاضا ہے۔ اس کا مطالبہ مرد وزن دونوں سے کیا گیا ہے۔

قرآن نے محرمات کا تعین خود کر دیا۔ عورتوں کے لیے لازم کیا کہ وہ اپنے محرم مردوں کے سوا ہر ایک سے زینت کے اخفا کو یقینی بنائیں۔ بالخصوص کسی ضرورت کے تحت گھر سے نکلتے ہوئے اپنے عام لباس اور زیب و زینت کو چھپانے کے لیے ایک بڑی چادر اوڑھنے کا اہتمام کریں۔ (الاحزاب 59)

- عورتوں کو گھر سے باہر کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ کسی معاشی، معاشرتی یا دوسری ضرورت کے لیے نکلنا ہی پڑے تو حیا کی پاسداری لازم کی گئی۔
- مسلم معاشرہ میں اختلاط مرد وزن کی ممانعت کر دی گئی۔ نمازوں میں ان کی صفیں الگ رکھی گئیں۔ حتیٰ کہ مسجد میں داخلہ کے لیے ایک دروازہ عورتوں کے لیے مخصوص کر دیا گیا جو آج تک باب النساء کہلاتا ہے۔
- گفتگو میں حیا کے تقاضے کے تحت جنسی موضوعات پر گفتگو کو معاشرہ میں فواحش پھیلانا قرار دیا گیا اور اس پر سخت تنبیہات کی گئیں۔ (النور 19)
- مردوں سے کہا گیا کہ خواتین سے بات کی ضرورت پیش آ جائے تو پردے کے پیچھے سے بات کی جائے۔ ایک ہی مقام پر منہ در منہ بات کرنا ممنوع ٹھہرا۔ خواتین کو نصیحت کی گئی کہ نرم لوچ دار انداز میں مردوں سے بات نہ کریں۔

(الاحزاب 33، 53)

نکاح کی ترغیب:

نکاح انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

النِّکَاحُ سُنَّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ''نکاح میری سنت ہے، پس جس نے میری سنت کو پسند نہ کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (ابن ماجہ، کتاب النکاح)

اسلام نکاح کو ایمان کا حصہ قرار دیتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''تم میں سے جو استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کر لے کیونکہ یہ نگاہوں کو پست رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتا وہ روزہ رکھے کیونکہ اس سے شہوت منضبط ہوتی ہے''۔ (ابوداؤد۔ 2064)

ایک اور موقع پر فرمایا:

''جب بندہ نکاح کر لے تو اس نے آدھے دین کو مکمل کر لیا۔ باقی کے لیے اللہ سے ڈرتا رہے۔'' (المعجم الاوسط 7647)

مزید ارشاد ہے:

''تین آدمیوں کی مدد کرنا اللہ پر لازم ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، وہ مکاتب جو بدلہ کتابت ادا کرنا چاہتا ہو (غلامی سے آزادی کے لیے) اور وہ شخص جو پاکدامنی کی زندگی گزارنا چاہتا ہو۔'' (ترمذی)

انسانوں کے اس بنیادی حق اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اور معاشرہ کے کمزور افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے رب کریم خود حکم جاری فرماتے ہیں:

''اور تم میں سے جو مرد اور عورتیں بغیر نکاح کے ہیں، ان کے نکاح کر دو اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو ذی صلاحیت ہیں ان کے بھی۔ اگر وہ غریب ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا اور جو نکاح کی طاقت نہ پائیں وہ لازماً پاکدامنی اختیار کریں۔ یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔'' (النور 32-33)

یہاں لفظ ''ایامیٰ'' آیا ہے۔ اس کا واحد ''ایم'' ہے۔ یہ کسی بھی غیر شادی شدہ فرد کے لیے بولا جاتا ہے۔ وہ بالغ ہو یا نابالغ، رنڈوا، بیوہ، وہ سب مرد اور عورتیں جن کی بیویاں اور شوہر نہ ہوں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سرپرستوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ان مجرد عورتوں اور مردوں کا نکاح کریں جو ان کی سرپرستی میں ہیں اور جن کی کفالت ان پر واجب ہے۔ خاندان کے سرپرست کو دی گئی ہدایات میں وضاحت فرمائی گئی:

''تین کاموں میں تاخیر نہ کرو۔ نماز جب اس کا وقت ہو جائے، جنازہ جب وہ تیار ہو جائے اور لڑکی کی شادی جب اس کے لیے مناسب رشتہ مل جائے۔''

(احمد: 828، ابن ماجہ: 1486)

صرف لڑکی کے لیے ہی نہیں لڑکوں کے لیے اس سے بھی زیادہ زوردار الفاظ میں نکاح کی ترغیب دی گئی۔ حضرت ابوسعید خدریؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے، اس کو ادب سکھائے، پھر جب بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے۔ اگر اس نے بالغ ہونے پر اس کا نکاح نہ کیا اور لڑکا گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کا گناہ باپ پر ہو گا۔'' (بیہقی)

انہی ہدایات کی روشنی میں مسلم فقہا نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو یقین ہو کہ اس نے نکاح نہ کیا تو اس سے گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے گا تو اس کے لیے نکاح کرنا فرض ہے۔

''کفو'' یعنی فریقین کا ہم مرتبہ ہونا نکاح کے لوازمات میں سے ہے لیکن عفت وعصمت کی حفاظت اتنی اہم ہے کہ اس کے تحفظ کی خاطر ''کفو'' کی شرائط کو نرم کیا جا سکتا ہے۔

نکاح کے ذریعہ قائم ہونے والے عقد کی پائیداری کو حتی الامکان یقینی بنانے کے لیے زوجین کا کچھ امور میں برابر اور ہم پلہ ہونا ضروری سمجھا گیا ہے۔ ان میں نسب، دین اور عقیدہ، معاشی اور معاشرتی حیثیت شامل ہیں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک یا اس کا خاندان کسی احساس تفاخر میں مبتلا ہو کر دوسرے کے لیے باعث آزار نہ ہو۔ تاہم جب معاملہ عصمت کی حفاظت کا ہو تو محض ''کفو'' کو نکاح میں تاخیر کا عذر نہیں بنایا جا سکتا۔

نکاح کا انعقاد آسان رکھا گیا۔ جگہ، وقت، عمر کی کوئی قید نہیں۔ اسلام نے حسبِ استطاعت مہر اور ولیمہ کے علاوہ کسی طرح کا معاشی بوجھ فریقین پر نہیں ڈالا گیا۔

عفت وعصمت کی حفاظت نکاح کا بنیادی مقصد ہے۔ چنانچہ نکاح کے بغیر مرد عورت کا تنہائی میں مل بیٹھنا اتنا ناگوار ہے کہ یہ خبر دی گئی کہ ایسے دو افراد کے درمیان تیسرا شیطان ان کا ہم نشین ہے۔ خفیہ دوستی اور آشنائی ہو یا علانیہ بدکاری، اسلام کو ان میں سے کچھ بھی گوارا نہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ النساء میں نکاح کے سلسلہ میں محارم کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد ہے:

’’اور ان کے سوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال (مہر) کے ذریعہ سے حاصل کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو، نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو۔‘‘ (النساء۔24)

سورۃ المائدہ میں اس مقصود کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا:

’’اور مقصد نکاح میں لانا ہو، نہ کہ علانیہ بدکاری کرنا یا خفیہ دوستی کرنا۔‘‘ (المائدہ۔5)

’’احصان‘‘ کی شرط نے نکاح کو ’’سفاح‘‘ سے ممیز کر دیا ہے۔ یہ ایک مرد کا ایک عورت کے ساتھ وقتی لذت کے لیے نہیں، زندگی بھر اکٹھا رہنے کا ایک سنجیدہ معاہدہ ہے۔ وہ ایک دوسرے کی عزت اور مفادات کے محافظ بن کر اپنے گھر کو ایک مضبوط قلعہ بنا لیتے ہیں۔ جس میں مرد ’’محصن‘‘ ہے یعنی قلعہ تعمیر کرنے والا اور عورت ’’محصنہ‘‘ ہے یعنی قلعہ کے حصار میں محفوظ ہو جانے والی۔

نکاح کی ایک اہم شرط اس کا اعلان کرنا ہے۔ نکاح کے موقع پر دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، تاہم اس تعلق کا باضابطہ اعلان فریقین کے خاندان اور معاشرہ میں لازم ہے تاکہ کسی قسم کی بدگمانی کا موقع نہ رہے۔

نکاح کے لیے عمر:

اسلام میں اہلیت نکاح کی ایک شرط بالغ ہونا ہے۔ بالغ مرد یا عورت اپنی آزادانہ مرضی سے نکاح کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ دیگر معاہدوں کی طرح عقد نکاح درست ہونے کے لیے فریقین کی رضامندی شرط ہے۔ ایجاب وقبول کے علاوہ نکاح کے دیگر مقرر کردہ ارکان کا لحاظ بھی ضروری ہے جو یہ ہیں:

ا۔ ولی: (عورت کی طرف سے) باپ یا کوئی اور محرم فرد عورت کی طرف سے مجلس نکاح میں ایجاب کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا۔ حدیث میں واضح ارشاد ہے:

’’جو بھی عورت اپنا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر کرے، اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے۔‘‘ (ترمذی۔ابواب النکاح)

۲۔ مہر: یہ وہ مال ہے جو مرد نکاح کے موقع پر عورت کو ادا کرتا ہے۔

اگر صبی ممیز (سات سال سے زائد عمر کے بچے) نے اپنا نکاح خود کر لیا تو اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ یعنی ولی رضامند ہوں تو نکاح صحیح ہوگا۔

بلوغت کی عمر:

بلوغت کے لیے کسی خاص مدت کا تعین نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کا دارومدار مختلف جغرافیائی حالت، جسمانی ساخت، موسمی تبدیلیوں اور ماحول کے اثرات پر ہے۔ بالعموم بلوغت کی عمر لڑکیوں میں ایام کے آغاز (نو سے پندرہ سال) اور لڑکوں میں انزال (بارہ سے پندرہ سال) تسلیم کی گئی ہے۔

مختلف معاشروں میں کی گئی تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بلوغت کی اوسط

عمر میں گزشتہ چند سالوں میں کمی دیکھنے میں آئی ہے۔لڑکیوں میں بلوغت کی اوسط عمر 18-11 سال اورلڑکوں میں 15-13 سال نوٹ کی گئی۔

شریعت اسلامیہ کی رو سے پندرہ سال تک بلوغت کے آثار ظاہر نہ ہونے پر انہیں بالغ ہی سمجھا جائے گا۔

یہاں پر یہ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ پاکستان میں کم عمری کی شادی (عورتوں کے لیے سولہ سال سے کم اور مردوں میں اٹھارہ سال سے کم) قانون کے تحت جرم ہے لیکن عدالتوں نے ایسا نکاح صحیح ہونے کا فیصلہ دیا۔

بعض لوگ سورۃ النساء کی آیت 6 سے استدلال کرتے ہوئے نکاح کے لیے ''بلوغ'' کے ساتھ ''رشد'' کا ہونا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں۔پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت (رُشد) پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کردو۔''

(النساء6)

مفسرین اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''جنسی بلوغ ہر حال میں عقلی بلوغ کو مستلزم نہیں ہے۔نکاح کے لیے تو بلوغ کی شرط ہے جب ایک فرد وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔البتہ مال حوالے کرنے کے لیے دو شرطیں عائد کی گئی ہیں۔ایک بلوغ، دوسرے رُشد یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت۔جمہور علماء اس آیت کو صرف مال لوٹانے کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔

(معارف القرآن)

برسٹل یونیورسٹی میں پانچ ہزار بچوں پر بلوغت کے اثرات پر کی گئی ایک تحقیق (جو ''گارڈین'' میں 6 اکتوبر 2020ء کو شائع ہوئی) میں محقق سٹیون مورس نے یہ حقیقت

واضح کی کہ جنسی بلوغت، ذہنی پختگی اور جذباتی استحکام بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔جنسی بلوغت کے ظاہر ہوتے ہی ایک بچہ جن جسمانی اور کیمیائی تبدیلیوں کا سامنا کرتا ہے وہ اس کے اندر ایک ہیجان برپا کر دیتی ہیں۔بعض اوقات جنسی تجربات کرنے یا جنسی تسکین حاصل نہ کرسکنے کے باعث اتنے دباؤ کا شکار ہوتا ہے کہ خود ایذا رسائی کی نوبت کو پہنچ جاتا ہے اور خود کو نقصان پہنچا لیتا ہے۔

مسلم فقہاء کے نزدیک ''دورِ رُشد'' عمر کا وہ مرحلہ ہے جب انسان دینی و دنیاوی اعتبار سے مالی معاملات میں صحیح اور درست طریقے سے تصرف کرنے کا اہل ہوتا ہے اور قوت فیصلہ رکھتا ہے۔''رُشد'' کی عمر کا فیصلہ ہر فرد کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے۔فقہاء نے بلوغ کے بعد زیادہ سے زیادہ سات سے دس سال کا عرصہ طے کیا ہے۔اس سلسلہ میں البتہ بعض افراد میں بلوغ کے ساتھ ہی رُشد کے آثار واضح ہوتے ہیں۔

اسلامی شریعت میں بچے کے لیے ''صبی'' یا ''صغیر'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اسلامی فقہ بلوغت کو ایک معیار سمجھتے ہوئے اس کے بعد بچے کو ''کبیر'' تصور کرتی ہے۔''صغیر'' یا ''صبی'' اپنے امور کی انجام دہی کے لیے ولی کا محتاج ہے جبکہ ''کبیر'' اپنے تمام امور کا خود ذمہ دار ہوسکتا ہے۔

بلوغت کو شادی کی عمر قرار دینے کے باوجود جمہور فقہاء بچپن (بلوغت سے پہلے) کی شادی کو درست اور جائز مانتے ہیں۔اس کے جواز کے لیے جو دلائل دیئے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

قرآن میں عورتوں کے لیے طلاق کی عدت کے بارے میں ارشاد ہے:

''اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنہیں ابھی حیض نہیں آیا۔'' (الطلاق4)

مفتی محمد شفیعؒ معارف القرآن میں فرماتے ہیں:

''یہ حکم ان عورتوں کے لیے جن پر عدت گزارنا حیض یا طہر سے لازم ہے، وہ عورت جس سے (نکاح کے بعد) خلوت ہی نہیں ہوئی اس پر سرے سے عدت ہی لازم نہیں۔ اسی طرح وہ عورت جس کو کم عمری یا زیادتی عمر کے سبب حیض نہیں آتا، ان کی عدت مہینوں (قمری) کے حساب سے تین ماہ ہے۔''

مولانا امین احسن اصلاحیؒ اس آیت کی تفسیر میں تدبر قرآن میں لکھتے ہیں:

''آئسہ غیر مدخولہ اور صغیرہ غیر مدخولہ کے لیے تو کسی عدت کی ضرورت نہیں ہے لیکن آئسہ یا صغیرہ جن کو حیض نہ آتا ہو، اگر مدخولہ ہوں تو ان کے بارے میں چونکہ شبہ کا امکان ہے اس لیے ان کے لیے عدت ہے۔''

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی اپنی ''تفسیر السعدی'' میں اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''یعنی چھوٹی لڑکیاں جن کو ابھی حیض نہیں آیا یا وہ بالغ عورتیں جن کو بالکل حیض نہیں آیا ان عورتوں کی مانند ہیں جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں۔ ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تفہیم القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

''حیض خواہ کم سنی کی وجہ سے نہ آیا ہو یا اس وجہ سے کہ بعض عورتوں کو بہت دیر سے حیض آنا شروع ہوتا ہے اور شاذ و نادر کسی عورت کو عمر بھر نہیں آتا۔ تمام صورتوں میں ایسی عورت کی عدت وہی ہے جو ''آئسہ'' کی ہے یعنی طلاق کے وقت سے تین مہینے۔ اس جگہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ قرآن مجید کی تصریح کے مطابق عدت کا سوال اس عورت کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے جس سے شوہر خلوت کر چکا ہو۔ خلوت سے پہلے طلاق کی صورت میں

سرے سے کوئی عدت ہے ہی نہیں۔'' (الاحزاب 49)

اس لیے ایسی لڑکیوں کی عدت بیان کرنا جنہیں حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز کو قرآن نے جائز قرار دیا ہو، اسے ممنوع کرنے کا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا۔

عربوں میں بچوں کو بلوغت سے پہلے نکاح کر دینا عام رواج تھا۔ بعض اوقات رُخصتی کو بلوغت تک مؤخر کر دیا جاتا۔ اس دوران کسی بھی وجہ سے طلاق کی نوبت آجاتی تو اس پر یہ تو حکم ہوا کہ ایسی صورت میں مہر کی مقررہ رقم کا نصف ادا کرو مگر یہ نہیں فرمایا کہ بلوغت سے پہلے نکاح کیا ہی نہ کرو۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

''اور اگر تم اپنی ایسی بیوی کو طلاق دے دو جن سے خلوت نہ کی ہو تو مہر کی مقرر رقم کا نصف ادا کرنا ہوگا۔'' (البقرہ 237)

اجماع صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی نابالغ کے نکاح کی سمت ثابت ہے۔ روایات کے مطابق حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نابالغ لڑکیوں سے نکاح کیا۔ انسانوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ اسلام تمام انسانوں کے لیے رہنما ضابطے دیتا ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرہ کے قیام کا داعی ہے جہاں بے حیائی اور زنا سے اجتناب ہو اور جو عفیف و پاکیزہ افراد پر مشتمل ہو۔ شادی کرنے کا حق بلوغت کے ساتھ ہر فرد کو حاصل ہے۔ اسلام میں نکاح کے بغیر جنسی تعلقات حرام ہونے کو مدنظر رکھا جائے تو کسی بالغ فرد کو اس حق سے محروم کرنا زیادتی ہے۔

انہی دلائل کی روشنی میں اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی واضح کیا ہے کہ اسلام میں نکاح کے لیے عمر کا کوئی تعین نہیں۔

خیارِ بلوغ:

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ولی زیر کفالت لڑکے یا لڑکی کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہی اس کے مستقبل کا بہتر فیصلہ کرتا ہے لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ ولی یا سرپرست نے اس فیصلہ میں بچے یا بچی کے مفاد اور مصلحت کے بجائے کسی اور مصلحت یا دباؤ کے تحت کوئی ایسا فیصلہ کیا ہو جو بچے کو پسند نہ ہو۔ اس صورت میں اسلامی شریعت نے قانونی راستہ فراہم کیا ہے کہ وہ خیارِ بلوغ کا حق استعمال کر کے اپنا نکاح فسخ کرنے کے لیے عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں۔

حنفی فقہ کے مطابق صغرسنی کی شادی میں نابالغ کے پاس یہ حق ہے کہ وہ بلوغت حاصل کرنے پر اس نکاح کی تصدیق کرے یا اس کو ختم کر دے۔ حق خیارِ بلوغ کے استعمال میں تاخیر سے یہ حق ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر لڑکا یا لڑکی یہ حق استعمال کرتے ہوئے نکاح کو ختم کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ فیصلہ عدالت تک پہنچایا جائے گا اور عدالت باضابطہ طور پر نکاح کو ختم کرنے کا حکم جاری کرے گی۔ خیارِ بلوغ میں نکاح ختم کرنے کی وجوہات ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تاہم یہ حق استعمال کرنے کی لازمی شرائط یہ ہیں:

- بعض فقہاء کے نزدیک نکاح کو قائم رکھنے یا ختم کرنے کا فیصلہ بلوغت حاصل ہوتے ہی کرنا ضروری ہے۔ تاہم کچھ دوسرے فقہاء یہ حق پندرہ سال کی عمر پہنچنے پر ضروری خیال کرتے ہیں۔
- اس حق کو عمر کے اٹھارہ سال مکمل ہونے کے بعد استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر نکاح کے بعد رُخصتی ہوگئی اور ازدواجی تعلقات قائم ہوگئے تو خیارِ بلوغ کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ شوہر نے بیوی کی رضامندی کے بغیر یہ تعلق قائم کیا ہو تو لڑکی خیارِ بلوغ کا حق استعمال کر سکتی ہے۔
- رُخصتی سے پہلے فسخ نکاح بذریعہ خیارِ بلوغ پر نصف مہر کی ادائیگی لازم آتی ہے اور

اس کی کوئی عدت نہیں ہوتی۔ البتہ اگر رُخصتی ہوئے اور خاوند نے بلا رضامندی بیوی از دواجی تعلق قائم کیا تو پورے مہر کی ادائیگی لازم آئے گی اور مقررہ عدت گزارنا ہوگی۔ اس معاملہ میں مزید تفصیلات کے لیے کتب فقہ سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

رائج الوقت ملکی عائلی قانون:

رائج الوقت ملکی عائلی قوانین میں سے سب سے اہم 1961ء کا مسلم فیملی لاء آرڈیننس ہے۔ یہ قانون اپنی منظوری سے لے کر اب تک مذہبی اور دینی حلقوں میں ہدف تنقید رہا ہے۔ شادی کی عمر کے لحاظ سے آرڈیننس کی دفعہ نمبر 12 کے تحت سولہ سال سے کم عمر کی لڑکی کا نکاح کرنا جرم مستلزم سزا ہے۔

دینی حلقے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دفعہ وضع کرتے وقت معاملے کے سارے پہلو سامنے نہیں رکھے گئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ:

''صغیرہ کا محض نکاح کیا جاسکتا ہے۔ البتہ رُخصتی بلوغ کے بعد ہی ہو۔ یوں وہ اپنا ''خیارِ بلوغ'' کا حق بھی استعمال کر سکتی ہے۔

(حوالہ: شہزاد اقبال شام، اسلام کا قانونِ نکاح وطلاق، اسلامی قانون کا ایک تعارف 2016ء، مطبوعہ شریعہ اکیڈمی انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد)

حیاء کی حفاظت:

معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے کے لیے انسان کو عطا کردہ فطری جذبۂ حیاء کی حفاظت کے طریقے بتائے گئے۔ حیا رب کریم کا عطا کردہ سب سے طاقتور جذبہ ہے اور معاشرے کو برائی اور خواہش پرستی کی آماجگاہ بننے میں سب سے مضبوط رکاوٹ ہے۔

نبی ﷺ نے حیا کو انبیاء علیہم السلام کی سنت اور ایمان کا لازمی حصہ بتایا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا:

''حیااور ایمان دو ایسے ساتھی ہیں جو اکٹھے ہی رہتے ہیں۔ایمان ہوگا تو حیا بھی ہوگی، حیا سے محروم ہوگا تو ایمان بھی جائے گا۔''

اسلام نے معاشرے کو عفیف اور باحیا رکھنے کا دستور العمل بھی دیا ہے۔اس کے لیے محض ''غض بصر'' ہی نہیں خواتین کی زینت کے اخفا کا حکم بھی دیا گیا، مردوں اور خواتین کے باہم رابطہ کے حدود مقرر کیے گئے اور گفتگو کے آداب بتائے گئے۔

غیر قانونی جنسی تعلقات اور جنس (sex) کو موضوع گفتگو بنانا معاشرہ کو فحاشی سے آلودہ کرنے کے مترادف ہے۔قرآن ایسی گفتگو سے منع کرتا اور کسی پر بہتان لگانے پر سزائیں سناتا ہے۔رب کریم کی ناراضگی اور عذاب کی خبر دیتا ہے۔

رب کریم کا ارشاد ہے:

''بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی نہ جاؤ، وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے۔''

(الانعام 151)

مزید فرمایا:

''زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک یہ بے حیائی (کی انتہا) ہے اور بہت ہی برا راستہ۔ (بنی اسرائیل 32)

نبی کریم ﷺ نے زنا کے محرکات اور اسباب سے بھی بچنے کی تعلیم و تلقین فرمائی:

''اللہ نے ہر بنی آدم کے لیے زنا میں سے اس کا حصہ لکھ دیا ہے۔وہ اسے لازماً پائے گا۔پس آنکھ کا زنا (شہوت بھری) نظر کا دیکھنا، زبان کا زنا (جنسی لذت) کی باتیں کرنا، پھر نفس (ان محرکات سے متاثر ہو کر) تمنا اور خواہش کرتا ہے اور (آخری مرحلہ میں) شرم گاہ اس کی تصدیق کرتا ہے یا تکذیب کرتی ہے۔ (صحیح بخاری 6243)

زنا کے گناہ پر دسترس کے باوجود جو اللہ کے ڈر سے اقدام سے رک جائے، اسے قیامت کے روز اللہ رب العزت کے سائے میں جگہ پانے کی خوشخبری دی گئی ہے۔زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کرنے والوں کو جنت کی ضمانت دی گئی۔

انسانی نفسیات کا مطالعہ کرنے اور زمینی حقائق (جن کی ایک جھلک گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے) پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کم عمری کی شادی انسانیت کے لیے مسائل کا سبب نہیں، اصل مسئلہ جنسی آزادی کا ہے۔حتیٰ کہ کئی معاشروں میں اولین جنسی تجربہ کی اوسط عمر 13 سال سے کم نوٹ کی جا رہی ہے۔خاندان کا نظام تباہی سے دوچار ہو چکا ہے۔اس آزادی نے عورت کو مرد کی نسبت زیادہ متاثر کیا ہے۔اس کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ اس آزادی سے اس کی تعلیم تو متاثر ہوتی ہی ہے، معاشی ذمہ داری بھی اس پر ڈال دی گئی۔تنہا والدین میں تنہا ماؤں کے اعداد و شمار اس اذیت کی نشاندہی کرتے ہیں جو اسے اکیلے بچوں کو پالنے میں برداشت کرنا پڑتی ہے۔نہ صرف بچے کا باپ منظر سے غائب ہو چکا ہے بلکہ اسے ایک وسیع خاندان کا حصار بھی میسر نہیں۔

کیا ہم اس حقیقت سے آگاہ نہیں کہ جو محبت، سکون، اطمینان اور حوصلہ اپنے والدین، بہن بھائیوں کی معیت میں ملتا ہے، سوشل سکیورٹی کے حکومتی ادارے دینے سے قاصر ہیں۔

گھر میں بزرگوں اور دوسرے رشتہ داروں کی موجودگی، نوجوانوں کی ناتجربہ کاری اور معاملات سے نمٹنے کی کمزور اہلیت کا مداوا کر دیتی ہے۔

جنسی تعلقات کی کھلی چھوٹ جنسی امراض کو وبائی صورت دیے ہوئے ہے۔ان امراض میں مبتلا ہونے کے بعد ہونے والے تاسف اور احساس جرم کا کوئی مداوا نہیں اور یہ کیسا تضاد ہے۔قانونی دائرہ میں شادی پر تو پابندی مگر بغیر شادی باہم رضامندی سے تعلقات پر نہ صرف یہ کہ کوئی قدغن نہیں بلکہ انسانی حقوق کے زیر عنوان فطری تقاضا سمجھتے ہوئے جائز قرار دیا جاتا ہے۔

حرف آخر:

انسانیت کو اعلیٰ اخلاقی اقدار سے آراستہ کرنے، خاندان کے ادارے کو مضبوط بنانے، نوجوان نسل کو آزاد جنسی ماحول کے خوفناک انجام سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ:

ہمارے تعلیمی ادارے محض معلومات منتقل کرنے کے ادارے نہ ہوں بلکہ اعلیٰ اقدار وروایات منتقل کرنے والے تربیتی مراکز ہوں، جہاں انسان کو شرف بخشنے والی اعلیٰ اخلاقی اقدار، حیا، امانت، صدق ووفا، ایثار وخدمت، صبر وتحمل، شکر گزاری، اخلاص ومحبت کی ترویج اور نشوونما ہو، جن کی بنیاد خدا خوفی اور آخرت میں احساس جوابدہی پر قائم ہو۔ جب اس بنیاد پر کردار استوار ہوں تو پھر پولیس، عدالت اور کسی دوسرے نگران کی ضرورت نہیں رہتی۔

شادی کے لیے عمر کی حد مقرر کرنے کے بجائے شادی کے بغیر جنسی تعلقات پر پابندی کے لیے تمام ذرائع استعمال کیے جانے چاہئیں۔ اس کے لیے زیادتی کرنے والے مجرموں کو محض سزائیں سنانے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ ضروری ہے کہ اختلاط کے مواقع ہی فراہم نہ ہونے پائیں۔ تعلیمی اداروں، کلبوں، سماجی تقریبات میں مخلوط ماحول کا تدارک لازم ہے۔ عورت کو سامان تجارت بنا کر اس کے حسن کی نمائش پر پابندی لگانا ہوگی۔ احتیاطی تدابیر اختیار کیے بغیر مرض کے پھیلاؤ کو روکنا ممکن ہی نہیں۔

خاندانی نظام کی حفاظت اور استحکام، گھر کی فضا کو خوشگوار رکھنے، بچوں کی پرورش، نشوونما، دیکھ بھال کی اچھی مہارت اور سوجھ بوجھ نسل نو کو منتقل کرنے میں سب سے اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ گھروں میں بزرگوں کی موجودگی اہل خانہ کے بہت سے ذہنی اور جذباتی مسائل کو پیدا ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیتی ہے۔

اور آخر میں سب سے اہم بات!

اگر اللہ رب العزت نے 16 یا 18 سال سے کم عمر افراد کی شادی کو حلال رکھا ہے تو اللہ کے حلال کو حرام کرنے کی جسارت کیا کوئی معمولی جرم ہے؟

حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''حلال بالکل واضح ہیں اور حرام بھی واضح ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ (غیر واضح) امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے (اور دھوکا کھا جاتے ہیں) پس جو شخص مشتبہ امور سے بچا رہا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا اور جو ان میں مبتلا ہو گیا، اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے ارد گرد اپنے مویشی چراتا ہے اور ہمیشہ اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ اس کے مویشی (ممنوعہ) کھیت میں جا گھسیں گے۔ خبردار ہو! ہر بادشاہ کی کچھ ممنوعہ حدود ہوتی ہیں۔ سنو! اللہ کی زمین پر اس کی ممنوعہ حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔'' (صحیح البخاری:52)

☆☆☆